ناولٹ

☆

ادھوری محبت

آسیہ رزاق

"حساب "جو' جو"

"اوئے ردّی والے۔ ارے او بڈھے ردّی والے ذرا اِدھر تو آ۔ ردّی اخبار کیسے سیر سے گا تو۔ انگریزی کے اخبار اور اُردو کے الگ الگ بتانا۔"

پہلے تو یہ سن لو بی بی۔ کہ ہم کوئی غلام نہیں۔ محنت کر کے ..... چار پیسے کماتے ہیں۔ حق حلال کی کھاتے ہیں۔ اور چین کی نیند سوتے ہیں۔ آپ ہمیں ایسے بلاتی ہیں جیسے ہم نالی کے کیڑے ہوں جی ہم بھی عزت والے ہیں۔"

"اچھا بابا۔ سن لیا۔ معاف کر دو۔ ارے ردّی والے بابا۔ لو صاحب ذرا اِدھر تو آیئے۔ اور ردّی کے بارے میں فرمایئے کتنے دام میں لیں گے۔"

"ہاں۔ں۔ اب ٹھیک ہے بلکہ زیادہ ہی ٹھیک ہو گیا۔ ارے بابا۔ انسان ہیں ہم کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے مانگ کر نہیں کھاتے۔ اسی لیے کسی سے دبتے نہیں۔ کیونکہ کسی کا احسان نہیں اُٹھاتے۔"

"اچھا اچھا۔ اب بھاؤ تو بتاؤ۔"

"جو آپ بولو۔ کہو تو لوں۔؟"

"نہیں۔ ایک شرط ہے۔ ہم خود تولیں گے۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"چلیے۔ آپ کی مان لی۔ یہ رہی ترازو۔"

"بھاؤ تو بتایا نہیں آپ نے بڑے میاں۔"

"جو بازار کا بھاؤ۔"

"ہم تو ساڑھے تین روپے کے حساب سے لیں گے۔"

"اب۔ کیا کہوں میں۔ جرح کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ گھی کے ڈبے ہوں گے خالی۔؟"

"ہاں۔ کتنے میں لو گے۔"

"بازار کے بھاؤ۔"

"نہ۔ ہم تو بڑا ایک روپے اور چھوٹا آٹھ آنے میں دیں گے

Scan & PDF
FIAZ AHMED
Friends Korner.com

"ہائیں! سونے چاندی کے ہیں کیا؟ یہ تو ہمیں دال نہیں کھاتا۔ سوچا تھا ردی اخبار کی کمی گھی کے ڈبوں سے برابر کرلیں گے۔"

"دنیا میں مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے۔ بڑے صاحب ڈبے مہنگے ہو گئے ہیں۔"

"ہاں گھی کے بھرے ڈبے مہنگے ہو گئے ہیں بیگم صاحبہ۔"

"خالی بھی مہنگے ہونے چاہئیں۔"

"نا۔ اپن کو پورا نہیں پڑے گا۔"

"ارے میں جاتی ہوں۔ خالی ڈبوں میں گھی بھر کر کمائی کرتے ہو تم لوگ۔ اگر ہم نہ دیں تو۔؟"

"نہ دیں آپ۔ کوئی اور دے گا۔ دنیا کا کاروبار چلتا رہتا ہے۔"

"ہاں۔ یہ تو ہے۔ اچھا بولو۔ لیتے ہو روپے میں ڈبہ؟"

"ایک بھی سودا تو ہوتا ہے بی بی جسے آپ خریدتی نہیں ہیں۔ اگر آپ اسے بھی خرید کر لیں تو دس عیب گنوا کر آدھی قیمت میں بتیس چلیے۔ دس آنے میں بڑا۔ چار آنے کا چھوٹا۔"

"نامنظور۔"

"اچھا۔ آپ کی مرضی۔ ہم تو یہ چلے۔ اب آپ ہمیں جرمانہ ادا کریں جلدی سے پانچ روپے۔"

"ہائیں۔ کیسا جرمانہ۔ کیسے پانچ روپے۔؟"

"یہ جو گھنٹہ بھر بٹھا کر آپ نے ہمارا وقت ضائع کیا ہے نا اتنی دیر میں تو ہم دس پندرہ روپے کما لیتے۔ آپ سے تو کم ہی لے رہے ہیں۔ صرف آپ کو بتانے کے لیے کہ وقت بہت قیمتی ہوتا ہے۔ اس کے ضائع کرنے سے نقصان ہو جاتا ہے۔"

"بہت بے مروت ہو۔ ہم تمہارے ساتھ کوئی سودا نہیں کریں گے۔ اپنا تھیلا اٹھاؤ۔ اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"دیکھیے دیکھیے۔ اب زیادتی کر رہی ہیں آپ۔ میں نے تو مروت میں اپنا ترازو تک آپ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ کون سودے والا کرتا ہے ایسا؟ آپ سودا کر کے مکرتی ہیں تو یہ تو بے مروتی سے بھی بری بات ہوئی۔ دونوں سودے نہ ہونے کی صورت میں جو نقصان ہمیں ہو رہا ہے۔ تو اس کے لیے آپ مزید پانچ روپے عنایت کریں۔"

"ارے بابا۔ میں تو بچھتائی اس قانونی بڈھے سے بات کر کے اچھا لو۔ کیا یاد کرو گے دس روپے لو۔ اور رفو چکر ہو جاؤ میری ردی کہیں نہیں جاتی۔"

"بیگم صاحبہ۔ ایک عرض ہے۔ آپ کے صاف ستھرے گھر میں یہ پرانے اخبار اچھے نہیں لگیں گے۔ کیا کریں گی آپ ان کا؟"

"کسی غریب کو دے دوں گی۔ وہ بیچ لے گا۔ اس کا بھلا ہو جائے گا۔"

"بیگم صاحبہ۔ غریب تو میں بھی ہوں۔ مجھے ہی دے دیں۔ میں تو آپ کو پیسے بھی دوں گا۔ دوسرا بھلا کیا دے گا آپ کو؟"

"وہ مجھے دعائیں دے گا جو میری آئندہ نسلوں تک کام آئیں گی۔ اور عاقبت میں میری حفاظت کریں گی۔"

"چلیے۔ دعائیں تو میں بھی آپ کو دے دوں گا۔ مجھ سے زیادہ غریب نہیں ملے گا۔ چھ بچیاں ہیں جن کا تن ڈھانپنے پیٹ بھرنے کے لیے دن بھر سڑکیں ناپتا ہوں۔ تب کہیں جا کر آپ جیسے مہربانوں کی بدولت روکھی سوکھی نصیب ہوتی ہے۔ ایمان سے بہت دعائیں دوں گا۔ میری سب اولاد دعا دے گی آپ کو آپ کے بچوں کو۔"

"اچھا چلو۔ اٹھا لو سب ردی۔ تمہاری میٹھوں کی خاطر مفت میں دے رہی ہوں۔ ڈبے بھی لے جاؤ۔"

"بیگم صاحبہ۔ خدا آپ کا مددگار رہے گا۔ آپ کی کھیتی ہری بھری رہے گی۔"

"اچھا اب دل میں دعا کرو۔ اور تم نے جو میرا اتنا وقت ضائع کیا ہے۔ اس کا بھی احساس ہے تمہیں؟ میری تو ہانڈی جل کر کوئلہ ہو گئی۔ چلو میرا دس روپے کا نوٹ واپس کرو جرمانے میں۔"

"بیگم صاحبہ۔ آپ نے پکارا تھا۔ تب ہم آئے تھے۔ ہم آپ کے نقصان کے ذمہ دار تو نہیں ہیں۔"

"افوہ۔ تمہیں تو وکیل ہونا چاہیے تھا۔"

"ظریفہ۔ ظریفہ بیٹی۔" ابا نے دفتر سے آ کر بیٹی کو پکارا وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ بیمار لگ رہے تھے۔ تو میں پیدل چل کر آئے تھے۔

"ظریفہ۔" لہک کر انہوں نے پھر پکارا "او ظریفہ آ آ۔"

"کیا کہتا ہے۔" بیوی نے پوچھا۔ "وہ تو پڑھ رہی ہے۔"

"ظریفہ آ آ آ بیٹے ے ے ے۔" ظریفہ کے ابا نے بیوی کی بات جیسے سنی ہی نہیں۔

"کہہ تو رہی ہوں پڑھ رہی ہے وہ اسکول والے اتنا کام دے دیتے ہیں کہ بس۔"

"ارے بھئی ظریفہ آ آ۔"

"پڑھ رہی ہے پڑھ رہی ہے کتنی بار کہوں۔ اسکول کے کام سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ بلکان ہو جاتی ہے پڑھ پڑھ کر۔ اسکول والوں کو کسی کے وقت کا احساس ہوتا نہیں

وہاں تو کچھ پڑھاتے نہیں۔ بس گھر میں پڑھنے رٹا لگانے کو دے دیتے ہیں۔"

"ارے بھئی ظریفہ آ آ۔" زیادہ حسن میں ابا نے پکارا تھا مگر ظریفہ نے جواب نہیں دیا۔

"اس کا وقت بہت قیمتی ہے۔ شام ہو جائے گی اور پڑھائی ختم نہ ہو گی۔ پھر اسکول میں ڈانٹ پڑے گی سائنس پڑھ رہی ہے کوئی مذاق نہیں ہے۔"

"تو رات کو کر لے گی اسکول کا کام۔" دادی نے دبی زبان سے کہا۔ "اسے اور کام ہی کیا ہے۔"

"لو اور سنو بیساس بہو میں نوک جھونک شروع ہو گئی۔ پورا دن رات تک بس پڑھتی رہے۔ ذرا آرام نہ کرے یہی چاہتی ہیں نا آپ۔ گھر کے کام کے لیے میں جو ہوں۔ سائنس پڑھنا ہنسی کھیل نہیں۔ ابھی اسے کالج میں بھی پڑھنا ہے۔"

"ظریفہ بیٹے۔" ابا کہہ جیسے چالی بھر دی گی ہو کسی کی سن ہی نہیں رہے تھے۔

"ارے تو بیٹی نہیں سنتی تو بیوی سے ہی کہہ دو۔ کیا کام ہے۔"

"میں بیٹی سے ہی کہنا چاہتا ہوں۔ اسے دعائیں دینے کے لیے کام لیتا ہوں۔ تاکہ وہ بھی خوش ہو جائے اور میں مطمئن۔"

وہ پنکھے کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ بہت تھک گئے تھے پسینہ جسم سے شرر شرر بہہ رہا تھا۔ آستین چڑھا کر دامن سے ہوا کر رہے تھے حالانکہ چھت کا پنکھا پوری رفتار سے چل رہا تھا۔

"بیٹا بیوی سے کام لینا کوئی گناہ تو نہیں۔ اتنی دیر سے پکار رہے ہو۔ انہیں احساس ہوتا تو آ جاتیں۔"

"اماں بیٹی سے کام کروانے کے بہانے دعائیں دے کر جی خوش ہو جاتا ہے۔" ان کی آواز بے حد کمزور تھی۔ اماں گھبرا گئیں۔

"بس پانی پینا چاہتا ہوں۔ سخت پیاس لگی ہے۔ اٹھا نہیں جا رہا تھک گیا۔ گرمی بہت تھی۔ پیدل آیا ہوں۔ تو لگ گئی شاید۔ پیاس سے حلق سوکھ رہا ہے۔ ظریفہ کو دیکھ کر ہی پیاس کم ہو جاتی ہے میری۔ اس لیے۔۔ اس لیے بلا رہا تھا۔ پانی پلا کر دعا لے گی۔"

"ہاری بہو۔ جلدی سے اٹھ۔ بیٹی سے کہہ۔ باپ کے دل سے نکلی ہوئی بیش قیمت دعائیں لے لے۔ اس کی زندگی سنور جائے گی۔ ایک گلاس پانی کے عوض۔"

"ظریفہ اے ظریفہ کی بچی۔" ساس کی تیز نظروں اور تند لہجے سے گھبرا کر انہوں نے بیٹی کو پکارا۔ "سنتی کیوں نہیں۔ کتنی دیر سے تمہارے ابا پکار رہے ہیں۔ کیا کانوں میں سلاخیں ٹھونس لی ہیں کہ آواز ہی نہیں جاتی۔ گھڑا بھر ہو گیا۔ کچھ وقت کا احساس ہے کہ نہیں نکمی نمانے بھکی۔ جلدی سے آنا۔ ظریفہ۔ او ظریفہ آ۔"

"اچھا امی سن لیا سن لیا۔ پانچ منٹ اور صبر کر لیں میں ناول کا آخری باب تو ختم کر لوں پھر اٹھوں گی۔ نہیں تو میری جان امی میں اٹکی رہے گی۔"

ظریفہ نے جواب دیا مگر ظریفہ کے ابا کی جان نکل گئی۔ دعاؤں کا وقت ختم ہو گیا۔ انہیں تو لگ گئی تھی۔

وقت... رکتا ہے نہ ٹھہرتا ہے۔ بس گزرا چلا جاتا ہے آگے آگے۔ اور آگے۔ اور اپنے قدموں کے نشان چھوڑتا جاتا ہے کبھی نسیم صبح کے جھونکوں کی مانند لطیف اور دل خوش کن۔ کبھی شام کی گھٹاؤں کی طرح غم آلود۔ یہی ہے وقت کا اجمالی خاکہ جو وقت کی اہمیت محسوس کرے۔ وہ کامران ہے۔ اور جو اسے نظر انداز کرے گویا وہ بہاؤ کا جھونکا شام کی گھٹا سمجھ کر توجہ نہ کرے۔ وہ سب سے زیادہ نقصان اٹھاتا ہے۔ جب حقیقت سامنے آتی ہے۔ تو قیمتی متاع کے ضائع ہونے کا افسوس اور پچھتاوا ساری زندگی رلاتا ہے تڑپاتا ہے۔

زندگی کیا ہے۔ غلطیوں پچھتاووں کی لمبی فہرست۔ اس فہرست سے اپنا نام مٹانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ہاں اگر کوئی اس فہرست میں اپنا نام داخل ہی نہ ہونے دے تو اس کی کامرانیوں کی کوئی حد نہیں۔

گناہ۔ ثواب۔ اجر۔ عذاب۔ محض لفظ ہی نہیں۔ اپنے اندر قیامت کے معنی رکھتے ہیں۔ کوئی مجھے تو گناہ کے راستے سے پہلو تہی کر لے۔ نہ سمجھے۔ تو پچھتاوے کی لمبی مدت بھی اس کو دھونے میں ناکام رہتی ہے۔ لیکن بات تو احساس کی ہے عقل کی ہے وقت اور زندگی کے درمیان احساس کی کڑی جو نرم و لطیف نفیس اور فہمی ہوتی ہے۔ جو زندگی اور وقت کو ملاتی ہے عقل کے ذریعے جو رلاتی ہے اور کامرانیوں کا پیش خیمہ ٹھہرتی ہے عقل جو جد و جہد اور انسانیت کی بنیاد بن جاتی ہے۔ جد و جہد اور انسانیت ہی زندگی کو نازک خیالی عطا کرتی ہے۔ لیکن زندگی بھر جد و جہد پر یقین رکھنے والے۔ انسانیت کو زندگی کی معراج سمجھنے والے بھی کبھی کبھی راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ انہیں کسی سچے راہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ راہنما۔ راہبر کہیں دور نہیں۔ قریب ہی ہوتے ہیں۔ بالکل قریب۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Friends Korner.com

وکیل امجد علی صاحب کو اپنی بہت سی غلطیوں خامیوں کا احساس تھا مگر وہ زبان سے اس کا اقرار نہ کرتے تھے۔ کہ اقرار انہیں بلندی سے پستی میں گرانے کا موجب نہ بن جائے مگر احساس کے ذریعے دل میں اپنی کوتاہی اور غلط فیصلوں کے قائل ہوتے رہتے۔ اور کوتاہی کے احساس نے ان کو خاصا بیمار بھی کر دیا۔ انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوا بھی تو کب جب بڑھاپا ان کو ناتواں بنانے آپہنچا۔ اولاد کے ہاتھوں نالاں صحت برباد۔ مایوسی انہیں غصہ ور اور مشتعل مزاج انسان بنانے میں نمایاں کردار ادا کرتی تھی جس سے وہ خود لاعلم تھے جوانی میں وہ بہت ذہین قابل اور اٹل فیصلوں کے لیے مشہور تھے شہرت تو ان کی وکالت کی بھی خوب تھی۔ مگر اب اولاد۔ اولاد نے ان کی بہت سی خوبیوں کو خرابی میں بدل کر رکھ دیا تھا۔ جوانی بھی کیا ہوتی ہے۔ وہ یاد کر کے مسکرا دیتے۔ کیا زمانہ تھا نئی نئی جوانی نئی امنگیں۔ زندگی حسین اور جذبات حسین۔ دولت تعلیم۔ حسن و جوانی۔ بے فکری۔ کیا نہ تھا ان کے پاس۔ ایسے میں بڑی سے بڑی قیمتی سے قیمتی متاع دام دے کر حاصل کرنے میں کیسا لطف آتا تھا۔

فتح کا نشہ۔ ملکیت کا غرور۔ دل جھوم جھوم جاتا۔ ان کی زندگی کامیابیوں کا مرقع تھی۔ باپ کے ارمان۔ ماں کی دعائیں۔ تعلیم سے فارغ ہو کر کام سے لگ گئے۔ کامیابی وہاں بھی ان کے آگے دست بستہ رہی۔ وہ جدوجہد پر یقین رکھتے تھے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں منزل بہ منزل بڑھ رہے تھے تب۔ جدوجہد کے اس دور میں ہلچل سی ہوئی۔ اور انہیں خواہ خیال سے مختلف ایک روتی بسورتی لڑکی اچھی لگنے لگی۔ کیسے؟ جانے کیا تھا اس میں۔ وہ سب سے الگ سب سے مختلف تھی۔ عام لڑکیوں سے تو جدا تھی ہی۔ ان کی اپنی تصوراتی شریک زندگی سے بھی بالکل مختلف تھی۔ نئی قسم کی لڑکی۔ حیران کر دینے والی جب بھی وہ اس کی سنجیدہ رنجیدہ صورت پر غور کرتے اس کی متلاشی نظروں میں اداسی بچھتاوا لاپروائی نظر آتی۔ ان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا۔۔۔ ہٹ ہٹ ہٹ۔ مگر ہٹنے کے بجائے وہ قریب آتی نظر آتی۔ سفید لباس میں کتابیں سینے سے لگائے بس اسٹاپ پر راستے کو تکا کرتی۔ وہ پہلی بار اسے دیکھ کر چونک گئے تھے۔ حالانکہ اس لباس اور اسی حلیے کی کئی لڑکیاں کتابیں سینے سے چمٹائے وہاں بس کے انتظار میں کھڑی تھیں ہنستی مسکراتی چہلیں کرتی دوشیزائیں لیکن وہ خاموش لب بھرائی نظروں کے ساتھ سب سے الگ نظر آرہی تھی۔ وہ روز اس راستے سے گزرتے۔ روز اسے سب سے منفرد پاتے۔ سوچ سوچ کر پریشان ہوتے۔ کون ہے کہاں رہتی ہے۔ اس کا پتا معلوم ہوتا تو وہ۔۔

بارش کی وہ دوپہر بالآخر انہیں قریب لے آئی تیز دھواں دھار بارش ہو رہی تھی وہ اپنا کام ختم کر کے گھر جا رہے تھے بس اسٹاپ کے شیڈ میں وہ تنہا کھڑی تھی۔ گھبرائی ہوئی اور سہمی ہوئی سی۔ انہوں نے گاڑی روک کر اسے پکارا۔

"سیلمے مس۔ آپ کو کہاں جانا ہے۔ میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ بارش تو۔"

وہ پوری بات نہ کر سکے۔ ایک لمحے کو وہ رکی پھر اعتماد کے ساتھ ان کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ اور بھیگے دوپٹے سے بارش کا پانی جھٹکنے لگی۔

"بہت تیز بارش ہے۔" انہوں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"آپ کی بس لیٹ ہو گئی شاید۔" انہوں نے پھر کہا۔

"نہیں۔ میں ہی لیٹ ہو گئی۔ بس تو وقت پر آئی ہو گی۔" وہ جھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"کہاں جانا ہے۔ بتا دیجیے۔"

"مزنگ چنگی۔ وہ جو دائیں ہاتھ پر۔"

"ٹھہریے۔ ابھی مزنگ چنگی دور ہے۔" وہ مسکرائے۔ اس لڑکی کی قربت نے ان کے دل میں پھول کھلا دیے تھے ست رنگے پھول۔ قوس قزح کے رنگوں کے پھول۔

"میں تو اس لیے پوچھ رہا تھا کہ مقام کا علم ہو جائے تو اسی سمت گاڑی موڑ لوں۔ یہ بالکل سیدھا راستہ نکلا۔ میرا بھی یہی راستہ ہے۔"

لڑکی چپ تھی۔ اس کی متلاشی نظروں میں قناعت تھی یا لاپروائی۔ وہ حیران تھے۔

"آپ نے میرے اوپر بھروسا کر کے مجھ پر بڑی عنایت کی ہے۔ جانتی ہیں آپ؟ اگر آپ انکار کر دیتیں اور بس کو ترجیح دیتیں۔ تو میں بہت مایوس ہو جاتا۔"

"جی۔ جی نہیں۔" وہ رکی۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ "دراصل میں نے آپ پر نہیں۔ خود پر اعتماد اور انحصار کر کے یہ اقدام کیا ہے۔"

چرر رر۔ بریک چرچرائے۔ بے خیالی حیرانی کے اس لمحے میں ان کے پیر اگر بریکوں سے جا لگتے تو کیا تعجب۔ کار رک گئی۔ انہوں نے بے یقینی سے اسے غور سے دیکھا۔ "واقعی؟"

"جی۔" پلکیں جھپک کر وہ تیزی سے بولی۔

"اور اگر۔۔۔ میں آپ کے اعتماد کو توڑ دوں؟" ان کا لہجہ بھرا ہو گیا تھا۔ "آپ مجھے جانتی نہیں ہیں۔ کیا کریں گی آپ؟"

"نہیں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔" اس نے بے حد مضبوط لہجے میں کہا۔

"کیوں ممکن کیوں نہیں؟"

"آپ اپنا غرور۔ خود ہی مٹی میں ملانا پسند نہیں کریں گے مجھے یقین ہے۔ کردار کی پختگی ہی مرد کا سب سے بڑا غرور ہوتی ہے۔"

وہ چند لمحے سناٹے میں بیٹھے رہے۔ لڑکی ذہین اور دلیر ہے۔ اظہار میں بے باکی اس کے مضبوط کردار کو نمایاں کر رہی ہے۔ بنا یہ بھی مضبوطی اسے سب سے مختلف رکھتی ہے انہوں نے کار اسٹارٹ کی۔ لڑکی نے سینے میں دبا ہوا سانس کھینچا بھیڑ میں رکی ہوئی ہوا باہر آئی۔ وہ اس کی آنکھوں میں چھپا ہوا خوف نہ دیکھ سکے تھے۔ اور اس کے آزاد سانس کو بھی محسوس نہ کر سکے۔

"آپ بغیر بریک کے مجھ پر بھروسا کر بیٹھیں تعجب کی بات نہیں ہے کیا؟" انہوں نے بات شروع کی۔

"ضرور ہو گی۔ میں تنہا کھڑی تھی۔ پریشان تھی۔ بارش میں دو قدم بھی پیدل نہیں جا سکتی تھی۔ آپ کو اکثر ادھر سے گزرتے دیکھتی تھی۔ صورت شناسائی ہی اس وقت غنیمت معلوم ہوئی اس کے علاوہ آپ نے خود مجھے دعوت دی تھی۔ وقت گزر جانا چاہتا تھا اور میں اسے ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔ جب بھی میں نے وقت کی اہمیت کو نظر انداز کیا پچھتانا پڑا۔ وقت گزر جائے تو پھر ہر کام رک جاتا ہے۔ وہ صرف ہمیں سبق سکھا جاتا ہے کہ آج کا کام کل پر نہ ڈالو اس لیے آپ کی پیش کش سے فائدہ اٹھانا ہی بہتر سمجھا۔ کم از کم آج تو۔۔۔ وقت سے مقصد حاصل کر لوں پچھتاوے سے بہت دل کمزور ہوتا ہے۔"

وہ اس کی باتوں سے متاثر ہو رہے تھے۔ باتوں میں اس طرح گم ہو گئے۔ کہ مزنگ چنگی سے آگے نکل آئے۔ وہ کہتی رہی۔ "ارے روکیے روکیے۔" مگر وہ کئی گز آگے آ کر رکے۔

"اب تو ہم کافی آگے آ گئے ہیں۔" اس نے مایوسی جھلاہٹ اور سرزنش کے طور پر کہا۔

بارش تیز تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم پیچھے جا سکتے ہیں۔ اتنے آگے تو نہیں آئے کہ لوٹنا مشکل ہو جائے۔" انہوں نے کار ریورس کی۔

"منزل کو چھوڑ کر آگے بڑھ جانا۔ کوئی اچھی بات نہیں۔"

"میری منزل تو ابھی اور آگے ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔ "سمجھ لیجیے آپ میری ہمراہی ہیں۔" اس کے گھر کے سامنے سڑک پر گاڑی روک کر انہوں نے کہا۔

"اپنا نام تو بتا دیجیے۔"

اس نے اترتے ہوئے متانت سے کہا۔ "نام میں کیا رکھا ہے۔" اور کار کا دروازہ بند کر کے بھاگتی ہوئی گھر میں داخل ہو گئی۔ اس کے بعد بھی کئی بار انہوں نے اسے لفٹ دی۔ گو کہ وہ کئی بار اکثر انکار کر دیتی۔ مگر کبھی کبھی مجبور ہو جاتی۔

"تعلیم پوری ہونے کے بعد آپ کیا کریں گی۔ کچھ سوچا ہے آپ نے؟" انہوں نے موقع پاتے ہی سوال کیا۔

"ظاہر ہے۔ میں اپنے مستقبل کے بارے میں پہلے ہی سوچ لیتی ہوں۔"

"اچھا۔ تو کیا سوچا ہے آپ نے؟"

"میں وقت کی دوڑ میں آگے بڑھنا چاہتی ہوں۔ پیچھے رہ جانا میرے لیے بہت نقصان دہ اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے شاید سب کے لیے ہی ایسا ہوتا ہو۔ مگر میں اسے زیادہ محسوس کرتی ہوں کیونکہ میں نے بہت دکھ سہے اور پچھتاوے پائے ہیں۔ اب مزید نقصان میری برداشت سے باہر ہے۔ اس لیے وقت کو مضبوطی سے پکڑ کر ساتھ دینا چاہتی ہوں۔"

"کس طرح پکڑ کر ساتھ دیں گی؟"

"امکانات پر انحصار کر کے نہیں۔ ہمت اور محنت کر کے میں سروس کروں گی۔ اور اپنی ماں کی تمام خواہشوں کا ازالہ کر دوں گی۔ حالانکہ۔ ہمارے ہاں کبھی کسی لڑکی نے سروس نہیں کی۔ ایسا سوچا تک نہیں۔ اور لوگ۔ بہت برا مانیں گے میرا مطلب ہے میرے لوگ رشتہ دار۔"

"کس قسم کی سروس کریں گی؟"

"ظاہر ہے۔ معمولی ہی ہو گی فی الحال۔ مگر میں محنت پر یقین رکھتی ہوں۔ ایک آفر ملی ہے مجھے۔ اور میں اسے بھی وقت کا تقاضا سمجھ کر قبول کروں گی۔ وقت ضائع کرنا کھو دینے کے برابر ہے۔ گزرتا وقت بہترین دوست بہترین راہنما ہوتا ہے۔"

اس کی رائے کو انہوں نے اہمیت دی۔ گزرتے وقت سے فائدہ اٹھایا۔ اس خود دار بے باک وقت کی قدر دان لڑکی کو زندگی کا ساتھی بنا لیا۔ کہ یہی وقت کا تقاضا تھا۔ اور لڑکی نے بھی وقت کے اس نئے رخ بہتر پیش کش کو لبیک کہا۔

FIZA AHMED
Scan & PDF
Pakistanidigest.com

خیالات کے برعکس خوابوں کی تعبیر کے طور پر شریک زندگی ملی تھی جس کے بارے میں پہلے انہوں نے سوچا بھی نہ تھا مگر وہ اٹل فیصلہ کرتے تھے۔ اور کبھی مایوس نہ ہوتے۔

شریک زندگی بہترین تھی۔ تیز ذہن تیز دست۔ انہوں نے اس کے سارے غم بانٹ لیے۔ اس کے دکھوں کا ازالہ کچھ مشکل نہ تھا۔ ان کا فیصلہ وقت کا فیصلہ تھا۔

"ظریفہ۔ ظریفہ بیگم۔ سنو۔" دفتر سے آتے ہی وہ بے قراری سے انہیں پکارتے۔

"جی۔ کہیے۔" جادو کی طرح وہ ان کے سامنے آجاتیں۔

"ہائیں۔ تم تو ادھر کچن میں تھیں۔ اتنی تیزی سے کیسے آگئیں کیا اڑ کر آئی ہو؟" وہ حیران ہو جاتے۔

"میں سست تو نہیں ہوں۔ اور میں نے آپ کو بتایا تو تھا اپنی پھپھو کی کاہلی سے میں کس قدر نقصان سہہ چکی ہوں۔ آپ کی آخری دعائیں بنے سکی۔ جو زندگی کے ہر موڑ پہ میری راہنمائی کرتیں۔"

"تم خوش نہیں ہو۔ کیا دکھ ہے۔ مجھے بتاؤ۔"

"دکھ نہیں ہے۔ مگر دعائیں نہ لینے کا پچھتاوا تو ہے۔ اب بعد میں محسوس ہوا کہ دعائیں بھی کام آتی ہیں۔ راستہ دکھاتی ہیں۔"

"مگر تم تو کہتی تھیں وقت راہنما ہوتا ہے۔ ساتھی ہوتا ہے۔"

"وقت کو ساتھی اور راہنما بنانا پڑتا ہے۔ دعائیں وقت کی محتاج نہیں ہوتیں۔ البتہ ہم وقت کے غلام ہوتے ہیں۔ وقت دھوکا دے جائے۔ تب بھی دعائیں کام آتی ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ دادی نے مجھے بہت دعا دی مگر۔ ابا والی دعاؤں کی کمی آج بھی محسوس ہوتی ہے۔"

"ہاں۔ یہ تو ہے۔ کسی نہ کسی چیز کی کمی زندگی کو بے رنگ بنا دیتی ہے۔"

انہیں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ انہیں ظریفہ کے دعا والے فلسفے پر یقین نہ تھا۔ مگر انہیں اپنی امی کی بات یاد آجاتی تھی۔ جو ظریفہ کی طرح دعاؤں پہ اعتقاد رکھتی تھیں۔

انہوں نے ایک بوڑھے ردی والے کی کہانی بارہا سنائی تھی۔ وہ کہانی انہیں ان کی آپی نے سنائی تھی۔ جب انہوں نے اس بوڑھے کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا تھا۔ گو کہ وہ بہت غریب تھا۔ مگر اس قدر وقت کا پابند۔ قدر دان اور بے باک اس قدر کہ وقت ضائع کرنے پر جرمانہ طلب کرنے میں ذرہ بھر نہ ہچکچاتا۔ آئے دن لوگوں سے محض وقت پر سودا نہ کرنے کے سلسلے میں جھگڑتا اور جرمانہ مانگتا۔ اسے اپنی محنت پر سخت مان تھا کیوں کہ وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتا تھا۔ کس قدر فخر تھا اسے اپنی محنت و

جدوجہد پر۔ اسی فخر نے اسے دلیری سکھائی تھی۔ لیکن کوئی اس پر مہربان ہو جائے تو دعاؤں میں بخل سے کام نہ لیتا۔ امی کہتی تھیں۔ ردی والے سے چھوٹا سا سلوک زندگی میں بہت کام آیا۔ اور ہمیشہ انہیں احساس ہوتا کہ ان کے بچوں کی ہر گام پر کامیابی۔ اس بڈھے کی دعاؤں کی وجہ سے ہے۔ وہ خود بہت حساس اور روشن خیال تھیں۔ تبھی تو ظریفہ کو بڑے مان اور چاؤ سے بیٹے کی خوشی کے لیے لے آئی تھیں۔

ظریفہ نے بھی اپنے انتخاب کو صحیح ثابت کر دکھایا۔ وہ امجد علی کے ذہن کو پڑھ لیتی تھی۔ سچی ساتھی کی طرح ان کو ہر معاملے میں تسکین و آسودگی پہنچاتی۔ وہ اس کی طرف سے کبھی مایوس نہ ہوئے اور وہ رفتہ رفتہ ظریفہ کی نظر سے ہی دیکھنے لگے۔

وقت کا کام ہے چلتے رہنا۔ وہ رکتا نہیں۔ بڑھتا ہے۔ آگے آگے۔ مگر بڑھاپے میں وکیل امجد علی کو بار بار احساس ہوتا تھا۔ انہوں نے بہت کچھ حاصل کرنے کے باوجود وقت کو ضائع کیا ہے۔ ظریفہ کے سلسلے میں اپنی خوش قسمتی پر وہ نازاں تھے کہ وقت کے دامن سے ایک بے بہا ہیرا چن لیا ہے۔ مگر جتنی خوشی ظریفہ نے ان کو عطا کی اتنا بلکہ اس سے بہت بڑھ کر دکھ زیبا نے پہنچایا۔ اور وہ سوچتے کہ سب کچھ پانے کے بعد بھی ان کا دامن خالی ہے۔ کبھی کبھی دعائیں لیتے لیتے دینے کو بھی دل چاہتا ہے مگر ظریفہ کے والد تو اس سے کام لیتے تھے۔ بہانے بہانے خدمت کروا کر دعائیں دیتے تھے۔ وہ کس کو دعائیں دیں کس کو کام کے لیے پکاریں۔ کسے بہانے سے دعا دیں۔ ان کے پاس باقی کچھ بچا نہیں تو وہ سر کے درد کو بہانہ بنا کر بستر پر لیٹ گئے۔

"یہ سر کا درد۔ میری جان لے کر ٹلے گا۔" وہ ظریفہ سے شکایتاً کہتے۔

"خدا نہ کرے۔ آپ کو خدا پر بھروسا نہیں کیا۔؟"

"خدا نے ہی تو دیا ہے یہ مرض۔"

"اسی سے شفا مانگیے۔ مرض دینے والا شفا بھی دے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ بس خدا پر بھروسا کر کے شفا کا انتظار کرتا رہوں۔ حالانکہ خدا بار بار کہہ چکا ہے کہ ہاتھ پیر ہلاؤ۔ کوشش کرو۔ جدوجہد کرنے والوں کو خدا پسند کرتا ہے۔ اور اسی کا ساتھ دیتا ہے۔"

ظریفہ مسکرا دی۔ ان کا شوہر وکیل تھا۔ جرح کرنا اس کا پیشہ۔

"تمہارا بیٹا۔ اپنے ہر مریض پر توجہ دیتا ہے۔ گھر کے مریض کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا۔ جانتا ہے۔ بڑھاپا ہے۔ موت دستک دینے

والی ہے۔ کون سر کھپائے فیس بھی تو اس بڈھے کے ہاتھوں نہیں ملے گی۔ پھر وقت کیوں ضائع کرے۔" وہ شکوہ کرنے سے باز نہ آتے

"توبہ۔ اللہ نہ کرے۔ وہ پیسے کا پجاری نہیں۔"

"مگر ابن الوقت تو ہے۔ تم نے اسے یہی تعلیم دی ہے نا کہ وقت کو پکڑ لو۔ جانے نہ دو۔"

"میں نے بچوں کو ابن الوقتی کی تعلیم نہیں دی۔ صرف وقت کی پابندی اور قدر کرنا سکھایا ہے۔"

"تو پھر وہ مجھے دیکھتا کیوں نہیں۔ پوچھتا نہیں۔ گھر میں آتا ہے تو ٹیلی فون کی ٹن ٹن ساتھ لاتا ہے۔ گھر کی گھنٹی بھی ساتھ آتی ہے وہ کبھی اس ٹن ٹن کبھی اس گھنٹی کی طرف بھاگتا رہتا ہے۔ کاش میں بھی گلے میں گھنٹی باندھ سکتا۔ تو وہ سن لیتا۔ میرے دل کی آواز۔ دھڑکنوں کی صدا تو وہ سن نہیں سکتا۔"

"وہ بہت باخبر حساس اور ذمہ دار ڈاکٹر ہے۔ اسی لیے مقبول بھی ہے۔ اسی لیے لوگ اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ لوگ اسی کا پیچھا کرتے ہیں جو ان کے کام آئے۔"

"ہاں۔ لوگ اسی کا پیچھا کرتے ہیں۔ جو ان کے کام آئے۔"

وکیل صاحب سوچنے لگے۔ یہ سچ ہے۔ ذہن میں آہستہ سی چلنے لگی۔ لوگوں نے ان کا بھی بہت پیچھا کیا تھا۔ وہ ایک مقبول اور مشہور وکیل تھے۔ ان کی وکالت کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ جب وہ گھر آتے۔ فون کی گھنٹی ان کا پیچھا کرتی۔ لوگ ہر منٹ ان سے ملاقات کے خواہاں ہوتے۔ کیا زمانہ تھا۔ کیسے اہم مقدمات انہوں نے نبٹائے تھے۔ مگر جانے اچانک ہی کس کی نظر لگی۔ وہ اس زمانے کو ڈھونڈتے رہ گئے۔ خود سے لوگوں کا پیچھا کرتے۔ اور لوگ ان سے بھاگتے۔ اس زمانے میں وہ زیبا کی وجہ سے بہت ملول تھے۔ دل برداشتہ تھے۔ اور مسلسل ماضی میں جھانکتے بار بار دل سے پوچھتے۔

"مجھ سے کب کہاں کوتاہی ہوئی ہے؟"

مگر ان کے سوال کا کوئی جواب نہ دیتا۔ اور وہ کنپٹی پکڑ کر بستر میں ڈھے جاتے۔ اسی زمانے سے سر کا درد ان کو چمٹ کر رہ گیا تھا۔

اس زمانے میں وہ بہت مصروف تھے۔ کئی بے حد اہم مقدمے ان کے ہاتھ میں تھے۔ اس زمانے میں ایک طالب علم کے کیس کی شہرت ہو رہی تھی۔ اس پر قتل کا شبہ تھا۔ طالب علم کو قتل سے انکار تھا۔ کوئی شہادت بھی ایسی نہ تھی جس سے اس کی برّیت ثابت ہوتی۔ وہ وقوعے کی رات کو ہوٹل میں موجود نہ تھا۔ کیونکہ وارڈن اس کی غیر موجودگی پر حیران ہوا تھا۔ وہ بے حد قابل اور لائق ذمے دار طالب علم تھا۔ اور کبھی اس نے قانون کی خلاف ورزی نہ کی تھی۔ ہاسٹل کی تمام پابندیوں پر عمل پیرا رہا تھا۔ اور اگلے دن اس نے جرمانہ ادا کیا تھا۔ لیکن پولیس کے مطابق کوئی بھی قاتل وقوعے کی جگہ سے غیر حاضری ثابت کر سکتا ہے۔

لیکن اگر وہ ہاسٹل میں نہیں تھا۔ تو پھر کہاں تھا۔؟ قتل ہاسٹل میں ایک طالب علم کا ہوا تھا۔ اور بہت سے لوگوں نے ایک دن پہلے ان کے جھگڑے کا ذکر کیا تھا۔ ملزم نے مقتول کو دھمکی دی تھی کہ میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اور اس نے اسی رات اپنے عہد کو پورا کر دکھایا۔

ملزم کو جھگڑے کی سنگینی سے انکار تھا۔ وہ اشتعال انگیزی سے منکر تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے کہا کہ طالب علموں میں معمولی نوعیت کے جھگڑے اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ مقتول کے سوا اور کسی کو علم نہ تھا کہ جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔ مگر آوازیں سن کر لوگ جمع ہو گئے تھے۔ اور ملزم نے کہا تھا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا اگر۔"

اس کے بعد وہ کہیں چلا گیا۔ اور مقتول نے بھی کچھ نہ بتایا مگر اب ملزم بڑے جھگڑے سے انکاری تھا۔ اور مقدمہ طول پکڑ رہا تھا۔ ملزم کی ماں بوڑھی اور بیوہ تھی۔ اور بیٹے کی بے گناہی کی قسمیں کھا کر یقین دلاتی تھی۔ امجد علی کی وکالت کی شہرت سن کر ان کے پاس آئی۔ اور اس نے مقدمہ کی کارروائی کا حال بتایا اور اصرار کیا کہ وہ اس مقدمے کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ انہوں نے لڑکے سے ملاقات کیے بغیر مقدمہ لینے سے انکار کر دیا۔ مگر وعدہ کیا کہ اگر وہ سچا ہے بے گناہ ہے تو وہ نہ صرف مقدمہ لڑیں گے بلکہ اسے بری کرائیں گے۔

وہ اس لڑکے سے جا کر ملے انہیں دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور یہ سن کر کہ اس کی ماں پرانے وکیل کے ذریعے مقدمہ لڑنا چاہتی ہیں۔ وہ بے حد خائف ہو گیا۔ شاید وہ ان کی شہرت سے گھبرا گیا تھا۔ وہ ناتجربے کار تھا۔ شرافت اس کے ہر انداز میں نمایاں تھی۔ علم کا شائق۔ ذہین اور سنجیدہ پہلی ملاقات میں انہوں نے سمجھ لیا کہ لڑکا منصوبہ بندی سے قتل کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ فوری اشتعال قتل کا سبب بن سکتا تھا۔ مگر قتل جھگڑے کے پندرہ سولہ گھنٹے بعد ہوا۔ اپنے تجربے سے وہ ہر شخص کا چہرہ پڑھنے میں طاق ہو گئے تھے۔ ہزاروں ملزم نظر کے سامنے سے گزرے تھے۔ وہ ملزم کو دیکھ کر پہلے ہی بھانپ لیتے تھے یہ ملزم نہیں۔ اس لڑکے کو دیکھ کر اس سے باتیں کر کے انہوں نے دل کو قائل کیا۔ یہ مجرم نہیں ہے۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Pakistanipoint.com

"مگر میں اپنی غیر موجودگی کس طرح ثابت کروں؟" وہ پریشان ہوگیا تھا۔

"دوسری جگہ موجودگی ثابت کرکے۔ کوئی گواہ۔ کوئی عمل۔"

"ایسا ہوتا۔ تو میں صابری صاحب کو بھی بتا دیتا۔" اس نے مایوسی سے کہا۔

"تم ہاسٹل میں رہتے تھے۔ قتل ہاسٹل میں ہوا۔ تم اس وقت کہاں تھے؟"

"میں ہاسٹل میں نہیں تھا۔ بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں۔"

"تم سچ سے کام لو۔ صرف وہ جگہ بتا دو۔ میں خود گواہ تلاش کرلوں گا۔"

"کیا بتاؤں۔" وہ پریشانی سے ماتھا رگڑنے لگا۔ "میں ٹہلتا رہا۔ لارنس گارڈن گیا پھر دو رات تک مال روڈ کے چکر لگاتا رہا۔"

"اور کوئی آشنا ملا نہ شناسا۔ برخوردار یہ مشکل ہے۔ کوئی دکاندار، طالب علم، کوئی تو ہوگا جس نے تم کو مال روڈ پر دیکھا ہوگا۔ تم پوری رات آوارہ گردی کرتے رہے۔ ہاسٹل میں حاضری طلبی ہوتی ہوگی۔ تم نے کیا جواز پیش کیا تھا غیر حاضری کا؟"

"میں۔ میں بہت پریشان تھا۔ اماں۔ اماں کا خط آیا تھا، بیماری کا۔ میں بہت۔۔۔"

"دیکھو اصل واقعات چھپانے میں تمہارا نقصان ہے قتل اگر تم نے نہیں کیا۔ تو کسی نے کیا تو ہے۔ مگر میں صرف تم کو بری کرانا چاہتا ہوں کیونکہ تمہاری ماں کی التجا ہے۔ فیئل جس نے کیا ہے۔ وہ کبھی نہ کبھی پکڑا جائے گا۔ میں تو صرف تم سے اصل اور سچی بات جاننا چاہوں گا۔ میرے مقدمہ کی اساس سچ اور صرف سچ ہے۔"

لڑکا چپ رہا۔ وہ کچھ دیر جواب کا انتظار کرتے رہے۔ پھر بولے۔ "ماں کا خط دکھا سکتے ہو؟"

"وہ کہیں گر گیا۔"

"میں جانتا تھا۔ یہی جواب ملے گا۔" وہ سمجھتے تھے لڑکا قاتل نہیں۔ مگر وہ کچھ چھپا رہا ہے۔ اور وہ ایسے مشکوک معاملے میں ہاتھ ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے۔ بوڑھی ماں سے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے وہ ملول ہوگئے۔ وہ بلبلا کر رو دی۔

"نہیں میرا بچہ قاتل نہیں۔ وہ تو بس پڑھنے سے دلچسپی رکھتا تھا۔ وکیل صاحب خدارا میرے بچے کو بچالیں کسی طرح بچالیں اسے۔ میرا واحد سہارا ہے۔ میری دعائیں آپ کی سات نسلوں تک کام آئیں گی۔"

"صرف دعائیں ہی تو میرے کام نہیں آسکتیں۔" انہوں نے کہا۔ "آپ کا بیٹا جب تک کھل کر سب کچھ نہیں بتاتا میرا مقدمہ کمزور رہے گا بنقصان آپ کا ہوگا۔ آپ نے اسے سچ کی تعلیم نہیں دی اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

بڑی بی حسرت اور التجا بھری نظروں سے انہیں دیکھتی رہیں۔

"کیسے وکیل ہیں آپ جو لڑکے سے سچ نہیں اگلوا سکتے۔ آپ تو دلوں کے اندر جھانکنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ آپ کے سامنے کوئی عادی مجرم نہیں۔ ناتجربے کار لڑکا ہے۔ کمزور لڑکا جو جلد پریشان ہوجاتا ہے۔ آپ جیسے قابل، عالم فاضل وکیل کے لیے سب کچھ جان لینا کیا مشکل ہے۔ جو بے گناہوں کو لڑی چوٹی کے زور سے جرح کر کر کے مجرم ثابت کرتے ہیں۔ پھانسی دلواتے ہیں اور مجرموں کو بے گناہ ثابت کرتے ہیں۔ آپ اپنے قانون کے ذریعے میرے بیٹے کو جو مجرم نہیں، جو قاتل نہیں۔ بچا سکتے ہیں اپنے علم اور تجربے کی مدد سے۔ خدا شاہد ہے۔ وہ قاتل نہیں آپ اسے بچالیں۔"

"مگر کیسے۔ پورا واقعہ معلوم ہوئے بغیر میں اس مقدمے میں کیسے ہاتھ ڈالوں، جو جاری ہے اور آپ کا بیٹا مجھے پوری بات بتاتا ہی نہیں۔"

"بڑی بی کچھ دیر چپ رہیں۔ "اچھا میں اس سے مل کر ہر بات آپ کو بتا دوں گی۔ آپ صرف میری اس سے ملاقات کروادیں۔"

کئی دن گزر گئے۔ بڑی بی واپس نہیں آئیں۔ بعد میں کسی نے بتایا کہ مقدمہ ختم ہوگیا۔ لڑکا بری ہوگیا۔ مگر کیسے۔ وہ کیس کی فائل دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر وہ انہی دنوں زیبا کے لگائے زخم سے چور چور تھے۔ شدید بیمار ہوگئے۔ دنیا سے بیزار اور مشکوک۔ انہوں نے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا۔ کام چھوڑ دیا اور نہایت غضبناک رہنے لگے۔ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہر بات میں میخ نکالتے۔ ظریفہ ان کی عادتوں کی خوگر تھیں۔ مگر یہ نئی عادتیں انہیں پریشان کرنے لگیں۔ انہوں نے بہت سوچ بوجھ سے کام لے کر انہیں پھر سے وکالت کی طرف راغب کیا۔ خود انہیں آفس چھوڑنے جاتیں۔

مگر اب بہت کچھ بدل گیا تھا۔ ان کا دل مایوس اور غمزدہ تھا۔ کسی کام میں دل نہ لگا۔ لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ اب کوئی ان کا پیچھا نہیں کرتا۔ ان کے پاس مقدمے کے لیے کوئی نہ آتا ان کی مقبولیت میں کمی ہونے لگی تھی۔ اور کی کیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ لوگ ان سے کترانے لگے۔ ایک اخبار نے انہیں "مجرموں کو بری کروانے والا" کے خطاب سے نوازا۔ وہ گھبرا

گئے۔ نیک نامی کے حصول کے لیے چھوٹے سے چھوٹا مقدمہ لیتے۔ مگر بات بنی نہیں۔ ہاتھ آئے مقدمے واپس لے لیے جاتے۔ وہ جتنا گزرے وقت کو پکڑنا چاہتے۔ وہ پھسلتا جاتا۔

"آپ نے اس وقت کو کھو دیا۔ جب شہرت عزت آپ کے قدموں میں تھی۔" ظریفہ نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔ "کوئی بات نہیں۔ ہمت سے کام لیں۔ جو گزر گیا۔ اس سے سبق لیں۔"

"اس بڑی بی کے مقدمے سے انکار کے بعد۔۔۔ میری تو دنیا ہی لٹ گئی ظریفہ۔"

"آپ نے ان کی دعاؤں کی قدر نہیں کی۔ اسی لیے خدا نے آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ میں نے بھی ابا کی دعاؤں کی قدر نہیں کی تھی۔ میں ان کی محبت سے ہی محروم ہوگئی۔ آج تک ان کی آواز میرے کانوں میں گونجتی ہے۔ جونہی مجھے احساس ہوا میں غلطی کر بیٹھی ہوں۔ اسی کی سزا ملی ہے۔ میں سنبھل گئی۔ اور دادا دادای کی خدمت کو حاصل زندگی بنا لیا۔ ان کی دعاؤں نے ہی مجھے حوصلہ، ہمت عطا کی تھی۔ پتا ہے۔ انہی دنوں آپ مجھے ملے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دادای دادا کی دعاؤں کے طور پر آپ کو بھیجا تھا۔"

"تم ولی کب سے ہوگئیں؟" وہ چڑ گئے۔

عورتوں کا کچھ پتا نہیں چلتا کبھی بڑے سے بڑے پیر فقیر پر بد اعتمادی، کبھی محض دعاؤں پر بھروسا۔ کسی نے دس برس پہلے دعا دی تھی۔ تو وہ آج کیسے کام آئے گی۔ آخر کوئی سائنسی توجیح بھی تو ہوگی۔" مگر ظریفہ کے دماغ میں سائنس سے زیادہ دعاؤں کا عمل دخل ــــ تھا۔ گو کہ بیٹے کو سائنس پڑھا کر ڈاکٹر بنانے میں سب سے زیادہ سرگرمی انہی نے دکھائی تھی۔ لاکھ انہوں نے چاہا بیٹے کو لاء پڑھائیں ماں بیٹے دونوں خلاف ہوگئے۔

"کیا فائدہ۔ سچے انسان کو جھوٹ کا پابند کر دیا جائے وہ بھی وکیل بن کر سیاہ کو سفید، سفید کو سیاہ بنایا کرے گا۔"

ظریفہ مزاحاً کہتیں مگر ان کی تیوری چڑھ جاتی۔

"میں جھوٹا ہوں۔ اگر کوئی میرے کسی مقدمے میں جھوٹ کا بال بھی دکھا دے تو مان جاؤں۔"

"خیر۔ اس سے بہتر ہے کہ زخموں پر مرہم رکھ کر دعاؤں کا خزانہ سمیٹیے۔" وکیل صاحب برہم تو ہوئے۔ مگر ظریفہ سے اختلاف ان کے بس کی بات نہ تھی۔

دوسرے بیٹے کی طرف رجوع ہوئے۔ مگر پتا چلا کہ لڑکے کا رجحان آدمیت۔ انسانیت خدمت کی جانب تھا۔ یہ نسبت قانون کے پھر بھی انہوں نے اسے راغب کرنا چاہا اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"قانون کا فائدہ ہی کیا ہے۔" اس نے بے تکے پن سے کہا۔ "صحیح معنوں میں انسانیت ہی دنیا کی بقا کی ذمہ دار ہے اور وہ کافی ہے۔"

"جھوٹا نفنگا۔" انہوں نے دل میں گالی دی۔ وہ قانون کے خلاف بولنے والوں سے بہت خفا رہتے۔ پھر بھی سمجھایا تو وہ کرکٹ کا بلا لے کر آگیا۔

"لاء پڑھنے سے بہتر ہے کہ میں کچھ نہ بنوں۔ کرکٹ ہی ہوں لوگوں کی نظروں میں آؤں گا۔ اخبار کی سرخی بنوں گا۔ بڑا مزا آئے گا۔"

"شہرت کا لالچی۔" انہوں نے دانت پیسے۔ "شہرت تو مجھے بھی۔ مطلب یہ کہ ہر کام کرنے والے کو شہرت ملتی ہے۔ عزت ناموری ہوتی ہے۔"

"صرف اپنے پیشے میں۔ کھلاڑی کو دنیا بھر میں عزت ملتی ہے۔ ہر پیشے ہر مقام پر۔"

قانون کی حفاظت اور پاسداری ان کے بیٹوں کو پسند نہیں آئی۔

"قانون پڑھنا ضروری نہیں آباجان۔ اس کے بغیر گزارا ہوسکتا ہے۔ مگر انسانیت کے بغیر گزارا نہیں۔ انسانیت کے دشمن کو سزا دلانا آپ کے مروجہ قانون کے بس کی بات نہیں۔ تو پھر اس علم کا کیا حاصل۔ میں صرف انسان کہلانا پسند کرتا ہوں۔" وہی ماں کی زبان۔

"معافی مانگ اپنے آبا سے۔" ظریفہ نے بیٹے کو سرزنش کی۔ "کیسی بڑی بڑی باتیں کرتا ہے۔ ڈرتا نہیں۔"

"وہ ٹھیک کہہ رہا ہے ظریفہ۔" انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "انسان سب سے بڑا ہے کہہ نہیں سکتا کہ وکالت کے پیشے سے منسلک ہوکر میں نے انسانیت کی خدمت کی یا قانون کی۔ دراصل سچ ہی قانون کی بنیاد ہے۔ مگر لوگ قانون اندھا ہے کہہ کر ذمے داریوں سے جان چھڑا لیتے ہیں۔ اس میں قانون کی خامی نہیں اس انسان کی غلطی ہے جو۔ انسانیت کو نہیں مانتا جس نے انسانیت کے لیے کوئی کام کیا۔ سمجھو اس نے قانون کی بالادستی کو قبول کر لیا۔ اور میں اس بات سے مطمئن ہوں میرے بیٹے خلاف انسانیت کوئی کام نہیں کرتے۔"

"جناب۔ یہ میری تربیت کا نتیجہ ہے۔" ظریفہ نے خوش ہوکر کہا۔

Scan & PDF FIAZ AHMED Digipoint.com

مگر وہ اداس ہو گئے۔ ظریفہ کی خوشی درست سہی مگر اس نے زیبا کو بھی پرورش کیا تھا۔ اس کی تربیت میں کونسی خامی رہ گئی تھی کہ وہ آنکھیں بند کر کے والدین کی خوشی سے بے نیاز ہو کر۔ انہیں دھکا دے کر اپنی راہ پر چل پڑی۔ وہ اس سے کچھ ہمکے کہ یہی تو جس راستے پر جا رہی ہے۔ وہاں منزل نہیں محض خطرات ہیں۔ زیبا ان کی پیاری بیٹی۔ اطاعت گزار بیٹی جس نے لقمان کے رجحان کے مطابق اپنے ذہن کو لاء کی جانب راغب کیا اور ان کی آرزو پر پورا اترنے کے لیے دن رات پڑھائی میں لگ گئی۔ پڑھ پڑھ کر اس کی آنکھوں پر عینک لگ گئی۔ وہ ہر جگہ آگے آگے رہتی۔

کالج کی بہترین مقررہ۔

بہترین کھلاڑی۔

بہترین طالبہ۔

وہ اپنے باپ کی آئیڈیل اولاد تھی۔

پھر وقت نے انہیں ایک چرکا لگایا۔ انہوں نے سنا کہ زیبا نے خفیہ شادی کر لی ہے۔ خفیہ... ماں باپ کی اجازت کے بغیر ان کی لاعلمی میں۔ وہ ہوش میں نہیں رہے سنتے ہی ان پر طوفانوں نے زلزلوں نے حملے کر دیے تھے۔ اور ان کی آرزوؤں کو نیل مرجھا گئی۔ نئی نسل تباہی کے راستے پر...

خودسری اور آزاد روش... انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا زیبا بھی انہیں دھوکا دے سکتی ہے۔ ظریفہ ان دنوں کسی عزیز کی شادی میں شہر سے باہر گئی ہوئی تھیں۔ انہیں وکیل صاحب کی بیماری کی اطلاع ملی۔ وہ جلدی سے واپس آئیں تو بے یقینی کی کیفیت میں چپ کی چپ رہ گئیں۔ نہیں۔ زیبا ایسی نہیں۔ وہ ایسا کام نہیں کر سکتی۔ مگر وہ تھی کہاں؟ وکیل صاحب صدمے سے نڈھال تھے بستر پر پڑے تھے۔ وہ کس سے پوچھتیں۔ ڈاکٹر نے تاکید کی تھی۔ دکھ پہنچانے والا کوئی سوال نہ کیا جائے۔ رسوائی منہ پھاڑے ان کی جنت کو نگلنے آ پہنچی تھی۔ ان کے سامنے وکیل صاحب تھے بیمار غم سے چور۔ ناتواں۔ وہ انہی کی طرف بڑھ گئیں۔ تیمارداری دلداری۔ تسلیاں۔ انہوں نے دل پر پتھر رکھ لیا اور وکیل صاحب کو زندگی کی طرف لانے کی جدوجہد میں مصروف ہو گئیں وہ خود بھی ایک بیٹی تھیں۔ اس درد سے واقف تھیں جو بیٹی کو باپ کی دعاؤں سے محرومی کے بعد نصیب ہوتا ہے کاش زیبا ایک بار ان کے پاس آ کر کہتی "امی میں بے قصور ہوں" وہ فوراً اس پر یقین کر لیتیں۔ کہ یقین ہی ان کی منزل تھی۔ آٹھ برس بیتے آٹھ برس گزر گئے تھے۔

وکیل صاحب کو چند دن سے بہت غصہ آ رہا تھا۔ ایک تو ان کی بیماری کی کسی کو پروا نہ تھی۔ ڈاکٹر بیٹا ان کے مرض کو مرض ماننے سے انکاری تھا۔

"آپ کو وہم ہے۔ ماشاء اللہ ٹھیک ٹھاک صحت تو ہے" وہ جل بھن جاتے "خاک ٹھیک ٹھاک ہے۔ دل میں تو الاؤ دہک رہے ہیں۔ لاوے اُبل رہے ہیں۔ کسی کو کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ بیٹوں کی بے نیازی زیبا کی خودسری اور نافرمانی کام کی کمیابی۔ وہ گھر میں پڑے پڑے تنگ آ گئے تھے۔ ادھر چند دن سے ڈاکٹر بیٹا جانے ماں سے کیا کھسر پھسر کیا کرتا۔ یہ "یہ لوگ میرے خلاف سازشیں کیا کرتے ہیں" انہوں نے طے کر لیا "سوچتے ہوں گے۔ بڈھا بیمار ہے۔ سن سکتا ہے نہ دیکھ پاتا ہے من مانی کرتے ہیں۔ اور خبر تک نہیں دیتے۔ میں گزرتے وقت کی پرچھائیں کا سراہوں۔ کوئی توجہ نہیں دیتا۔ کس طرح مضبوطی سے وقت کی پرچھائیں کے کنارے کو تھام لوں۔ پھسل نہ جائے اپنی اہمیت کا سکہ کیسے جماؤں۔ ہُ"

"تم لوگ۔ کیا میٹنگ کرتے رہتے ہو آخر؟"

"ابا جان۔ آپا کا پرابلم ہے" اکرم نے سادگی سے کہا "وہ آنا چاہتی ہیں۔ ہم سے ملنا اور آپ سے معافی کی خواہش مند ہیں"

"کون۔ کون آپا؟" وہ کچھ سمجھے۔ کچھ ٹالا۔ دل دھڑکنے لگا۔

"میں نے کہہ دیا ہے۔ ہمارا اب اس سے کوئی تعلق نہیں" ظریفہ بیگم نے مایوسی سے کہا۔

وہ بھونچکا سے تھے۔ انھوں نے بیٹی سے تعلق رکھنے کا سوچا بھی نہ تھا۔ مگر ظریفہ بیگم جیسی نرم و گداز دل والی عورت جو زیبا کی ماں تھی۔ ایسی سختی کا مظاہرہ کرے گی اس کی توقع نہ تھی۔ ان کو کئی دن سے زندگی میں کسی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔ زیبا کا نام فضا میں ایک روشن اُمید کی طرح چمکا "بیٹی۔ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو رحمت کہا ہے۔ وہ اللہ کی رحمت سے منہ پھیر رہے ہیں۔ اسی کی سزا انھیں مل رہی ہے شاید۔ کہ کہیں چین نہیں ملتا" انھوں نے زیبا سے لاتعلقی کا عہد کیا تھا مگر وہ عہد وقت کے غبار میں چھپ گیا تھا۔

"ظریفہ بیگم!" انھوں نے متانت سے مخاطب کیا "تم تو ہمیشہ اپنی کوتاہیوں کا مداوا کرنے کی فکر میں رہتی ہو۔ کیا تم کو احساس نہیں کہ بیٹی بھی ہماری شفقتوں کی حقدار ہے۔ اس سے غلطی ہوئی تھی۔ مگر ہم نے اسے موقع ہی کب دیا صفائی کا معافی کا۔ اسے بلا لیں۔ آپ کیسی ماں ہیں۔ کیا متاصرف بیٹوں کے

لیے ہوتی ہے؟"

ظریفہ انھیں حیرت سے دیکھتی رہ گئیں ان کی آواز بھرا گئی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"کب میں نے تمہاری انکار کیا۔ میں تو آپ کی وجہ سے آج تک سینے پر پتھر رکھے بیٹھی رہی تھی۔ آپ۔ آپ اس کا نام بھی سننا نہیں چاہتے تھے۔ مجھے تو کئی بار اس کی طرف سے پیغام ملے تھے۔ مگر میں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ کہ میں آپ کی نافرمانی میں ایسا کام کر کے بددیانت کہلانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے وضاحت کی ہے۔ اور یہ صمد بھی ہے کہ زیبا کو موقع دیا جائے۔"

"اسے بلا لیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ماں باپ کی محبتوں سے محروم ہو کر اس نے کونسی نعمت حاصل کی ہے۔ اور وہ معافی مانگ کر اپنی گستاخی کی تلافی کس طرح کرتی ہے۔"

انھوں نے خود ہی زیبا کو گھر سے نکالا تھا۔ ہاتھ پکڑ کر گیٹ کے باہر پہنچا آئے تھے۔ وہ اس وقت بے حد مغلوب الغضب ہو گئے تھے۔ زیبا کیا کہہ رہی تھی۔ رو رو کر کس سے فریاد کر رہی تھی۔ انھوں نے کچھ نہیں سنا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا تھا۔ اور کانوں میں اپنے ہم پیشہ دوست کی آواز گونج رہی تھی۔ یہ کیسا ستم تھا کہ اپنی لاڈلی بیٹی کی شادی خانہ آبادی کی خبر انھیں غیروں سے ملی۔ وہ زیبا کو برا بھلا کہنے کے ساتھ اس شخص کو بھی دھوکا باز فریبی لالچی اور دوسری مغلظات سے نوازے رہے۔ جو ان کی بیٹی کو بہلا پھسلا کر دام میں لایا اور خفیہ شادی پر مجبور کر دیا۔

انھیں دکھ تھا۔ ان کی پڑھی لکھی ذہین و فطین۔ لڑکی ایک رنگے سیار کے دام میں پھنس گئی تھی۔ زیبا جب سے گئی۔ پھر اس نے اس گھر میں قدم نہ رکھے۔ وہ اسے بھلانے اور دل سے نکالنے کی تگ و دو میں مستقل بیمار ہو گئے۔ ان کی اجازت کی دیر تھی زیبا آ گئی۔ صمد اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ بھائی خوش تھے۔ ماں خوش تھی۔ وکیل صاحب جذبات پر قفل لگائے سنجیدگی کا پردہ ڈالے اسے دیکھتے رہے۔ وہ رو رو کر معافی مانگتی رہی۔

مگر اس کے انداز سے کسی کمزوری کا احساس نہ ہوتا تھا۔ شاید وہ اپنے گھر میں خوش تھی۔ اس نے ایک بار بھی اپنے شوہر کا ذکر نہیں کیا۔ کسی کمی کا رونا نہیں رویا۔ وہ سوچ رہے تھے۔ شاید زیبا اپنا جہیز مانگے گی۔ مگر اسے تو باپ کی خدمت کے سوا اور کسی بات سے غرض نہ تھی۔ وہ ان کے پاس ہر وقت بیٹھی رہتی کبھی کچھ کھلا رہی ہے کبھی جوس نکال کر ضد کر کے پلا رہی ہے۔ کبھی کچھ پکا کر انھیں چکھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ اخبار پڑھ کر سناتی۔ لیٹنے سناتی۔ علاج باقاعدہ معائنہ۔ وہ از خود صحت مند ہو گئے۔ باہر ٹہلنے جاتے۔ گھر پر باغبانی میں مصروف رہتے۔ اب انھیں لوگوں کا سامنا کرنے میں ہچکچاہٹ نہ ہوتی۔

"میری بیٹی میرا مسیحا بن گئی۔ تمھارے ڈاکٹر بیٹے نے میری پروا نہ کی تو میرا کیا بگڑا" انھوں نے ظریفہ سے کہا "دیکھ لو صحت مند ہو گیا۔"

وہ زیبا کو پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔

"تمھارے ابا کو ہر وقت توجہ کی ضرورت ہے۔ بچوں کی طرح اپنے پاس کسی کو دیکھنا چاہتے ہیں" ظریفہ نے ہنس کر زیبا سے کہا "میں گھر بار والی، دس کام میرے ذمے ہیں۔ میں کیسے تمام وقت ان کی بیماری کا حال سنا کروں۔"

"دس کام بیٹوں کے کر سکتی ہو میرا ایک کام بھی" وہ چپ ہو گئے۔ ظریفہ سے انھیں شکایت نہ تھی۔ وہی ان کی مونس و دمساز تھی۔ یہ تو پیار بھرا شکوہ تھا۔ وہ ظریفہ سے نظر چرانے لگے۔ ماں بیٹی ہنسنے لگیں۔

زیبا کی آواز نے اس کے وجود میں گھر میں بہار کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ وہ روز پھول لا کر گلدستے سجاتی۔ باپ کی پسند کے مطابق ہر کام کرتی۔ بھائی بھی اب ہر شام گھر آ جاتے اور سب مل کر خوب باتیں کرتے۔ وکیل صاحب کئی سال کے بعد اتنے خوش اور مطمئن نظر آتے۔ کیسی نعمت سے محروم ہو گئے تھے وہ زیبا کو جدا کر کے بڑی کوتاہی۔ ان سے ہوئی۔ اب اس کا مداوا کرنا ہوگا۔

"اب داماد کو بلوا کر تمام کوتاہیوں کا مداوا کر ڈالو"

ظریفہ ان کے دل کی آواز بھی سن لیتی تھی۔ اس کی رائے تھی "ظالم سچی تھی۔ کڑوی بھی۔ داماد جسے وہ ڈاکو کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ جو ان سے بیش قیمت ہیرا چھین لے گیا۔ اسے کس طرح بلواتیں وہ شرما گئے۔ خودداری کا غرور۔ جھک جانے کی پشیمانی۔ اب وہ آیا۔ تو سینہ چوڑا کر کے۔ گردن اکڑا کر نہ گا۔ اور فخریہ لفظوں سے کہے گا۔ "دیکھا تم ہار گئے۔ تھک گئے۔ بوڑھے ہو گئے ہو اور یہ جوانوں کا عہد ہے۔" وہ جانتے تھے ایسے لوگ ایسے ہی خیالات کے حامی ہوتے ہیں۔ گھٹیا ذہنیت، جاہل ذہنیت۔ انھیں خدشات نے گھیر لیا۔

"آیا جان! مجرم کو صفائی کا موقع تو دیا جاتا ہے۔ آپ ایک بار ان کی بات سن لیں۔" زیبا نے سر جھکا کر دھیرے سے کہا "اس راز پر سے پردہ اٹھ جانا چاہیے۔ اب تو۔ اب تو اس بوجھ کو اٹھائے

Scan & Edit by JAZ AHMED Friends Korner.com

پھر ناممکن ہو گیا ہے۔"

وکیل صاحب چونکے۔ بیٹی کو غور سے دیکھنے لگے۔ وہ سچ مچ جھکی ہوئی تھی جیسے ناقابلِ برداشت بوجھ اس کی کمر پر ہو۔ کونسا بوجھ ہو سکتا ہے۔ فیصر کی خلش کسی جرم کا شاخسانہ۔ انھوں نے طمانیتِ قلب کی خاطر داماد کو بلانے کی اجازت دے دی۔ محمد اور احد خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ انھیں خوشی ہوئی کہ آج بھی گھر پر ان کی حکومت ہے اور ہدیٰ مع بیٹے بیٹی کے ان کے حکم کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ انھیں اپنی ذات پر فخر ہونے لگا۔

"ہونہہ۔ داماد کی ہستی ہی کیا، میری مرضی کے بغیر بھلا وہ قدم رکھ سکتا تھا۔"

وہ آگیا۔ جذباتی منظر تھا۔ احد صمد اور نظر لغبہ پہلی بار مل رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں غم اور خوشی کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ مگر وکیل صاحب کے پاس وہ سینہ چوڑا کر کے یا گردن اکڑا کر نہیں آیا۔ سر جھکا کر آیا اور اُن کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"میں معافی مانگنے آیا ہوں۔ غلطی کی نہیں۔ غلطی تو میں نے کی ہی نہیں اگر تا تو آج آپ کا داماد نہ ہوتا۔ دراصل اپنی نالائقی کی معافی چاہتا ہوں جو آٹھ سال سے آپ کی زیارت حاصل نہ کر پایا۔ میری اپنی کوتاہی ہے۔"

وہ حیران رہ گئے۔ اُس نے جرم کیا تھا خفیہ شادی۔ اُن کی اپنی بیٹی لختِ جگر کو اُن سے چھڑا کر لے گیا تھا۔ اور کہتا ہے غلطی نہیں کی۔

"میں نے نالائقی ضرور کی۔ اس کی سزا بھگتنے کے لیے ہی آیا ہوں۔ مگر میں چاہتا تھا کہ کسی قابل ہو جاؤں۔ آپ کے قدموں میں بیٹھنے کے لائق بن جاؤں۔ تو آج خدا کا شکر ہے کہ میں اس قابل ہوں کہ اپنی روزی حلال ذرائع سے کما سکتا ہوں۔ آپ کا سامنا کرنے کی ہمت تو نہیں تھی مگر خود پر اعتماد تھا۔ آپ کی اجازت کا منتظر تھا۔"

بہت چالاک معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے سوچا۔ کیسے الفاظ کو استعمال کرتا ہے۔ باتونی لگتا ہے۔

"دراصل زیبا کی خواہش تھی کہ... ہماری شادی کے راز سے پردہ اٹھنا چاہیے۔" اس نے سر جھکائے جھکائے کہا۔ "میری یہ مجال نہ تھی کہ آپ کی بیٹی کی تمنا کرتا۔ نہ کہ خفیہ شادی۔ خدا کی قسم ہماری شادی خفیہ تھی نہ غیر قانونی۔ اور اگر اس شادی کا ذکر کیا جائے جس کی اطلاع آپ کو ملی تھی تو وہ محض نمائشی تھی کاغذی صرف قانون کا سہارا لینے کے لیے۔ میں آپ کو سب کچھ بتانے کے لیے بیتاب ہوں ابا جان۔ اجازت دیجیے تو کہوں ورنہ۔"

"مسخرہ کہیں کا۔" انھوں نے دل میں کہا۔ "کوئی زبردست فراڈ کیا ہے۔ مجھے الو بنانے چلا ہے۔ ابھی پتا چل جائے گا بیٹے، تمھارے ظاہر باطن کا۔ میں بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا۔ مشہور وکیل ہوں اپنے زمانے کا بڑے بڑے پھنے خانوں کے سر کچل چکا ہوں تم کیا ہو۔" انھوں نے گردن ہلا کر اُسے بولنے کی اجازت دے دی۔

"میرا نام سکندر زماں ہے۔ شاید آپ کو یاد نہ ہو نو سال پہلے سکندر زماں نامی طالب علم کسی قتل کے مقدمہ میں ماخوذ ہوا۔ وہ میں تھا میری ماں نے آپ کی شہرت سن کر آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اس مقدمے کو لے لیں۔ آپ اسی سلسلے میں مجھ سے ملنے بھی آئے تھے۔"

وکیل صاحب اتنے کند ذہن نہ تھے۔ انھیں وہ بڑی بی خوب یاد تھیں جو انھیں دعاؤں کا لالچ دے کر جاتی تھیں کہ اُن کے اکلوتے بیٹے کو پھانسی سے بچا لیا جائے۔ وہ قدرے حیران ہوئے بغور سکندر کو دیکھا۔

"ہاں۔ یاد ہے۔ آگے بولو۔"

"دراصل میں قاتل نہ تھا مگر واقعات میرے خلاف تھے۔"

"تم سچ کو چھپا رہے تھے اور تمھاری ماں کہتی تھی کہ تم بے قصور ہو۔" وہ رکتے ہوئے لہجے میں گویا ہوئے۔

"کوئی جھوٹ بولنے والا یا اصل واقعات پر پردہ ڈالنے والا بے قصور نہیں ہوتا۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ اسی لیے میں نے مقدمہ لینے سے انکار کیا تھا مگر تم تو شادی کے راز کو ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ اس بات کا کیا تعلق ہے۔؟"

"میں شادی کے سلسلے میں وضاحت کے ساتھ ساتھ ان واقعات کی بھی وضاحت کروں گا۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے قانون محض تفصیلات پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر میں ان انسانی قدروں کے خلاف تمام تفصیل بتاتا تو آپ کا قانون اس اخلاقی سچائی کی قدر کرنے کے بجائے رسوا کر دیتا۔ معاشرہ میرے قتل کرنے کے جرم کو تو معاف کر سکتا ہے مگر ان سچائیوں کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جو انسان کے اندر جنم لیتی ہیں کبھی انھیں حالات کے تحت جھٹلایا جاتا ہے کبھی ان کے چہرے مسخ کیے جاتے ہیں۔"

"بہت باتونی ہے۔ اسے وکیل ہونا چاہیے۔ اچھا کاروبار کرے گا۔ اونہہ مجھے کیا۔" انھوں نے سوچا۔

"تم تو اُلجھ گئے۔ اگر تم وہی طالب علم ہو۔ تو کیا یہ سچ نہیں کہ میرے بارے میں تم نے مشہور کیا کہ میں مجرموں کو بری کروا تا ہوں بے گناہوں کو پھانسی دلواتا ہوں۔"

وہ آواز میں دبدبہ پیدا کرنے کے لیے زور سے بولے۔

"بخدا نہیں۔ اس شہرت، یا بدنامی میں، میں نے کوئی کردار ادا نہیں کیا۔" سکندر نے زور دے کر کہا۔ اُس کے لہجے میں سچ تھا۔

"میں آپ کو ساری بات شروع سے بتاتا ہوں جس روز قتل ہوا اُس صبح یونیورسٹی میں تقریری مقابلہ ہوا تھا میرا جھگڑا مقتول سے ہوا تھا۔ مگر اس وقت میں اس بات کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا میرا ضمیر اس کے لیے رضامند نہ تھا خواہ مجھے پھانسی ہو جاتی۔ مگر مجھے یقین تھا ایسا نہیں ہوگا کیونکہ میری کسی سے دشمنی نہیں تھی۔ میں، زیبا اور مقتول ساتھ پڑھتے تھے۔ میں زیبا کو نام سے جانتا تھا زیادہ میل جول نہ تھا چونکہ وہ بہت قابل اور پڑھائی میں بہت آگے آگے رہتی تھی ہمیشہ فرسٹ آتی تھی مقتول بھی کافی ذہین تھا وہ ہمیشہ زیبا سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا تھا مگر کبھی کامیاب نہ ہو پاتا۔ اُس روز صبح مباحثے میں اتفاق سے زیبا اور مقتول نے بھی تقریر میں حصہ لیا تھا۔ اس دن بھی زیبا فرسٹ اور مقتول سیکنڈ قرار دیے گئے۔

اس روز وہ زیبا کے بارے میں فضول بکواس کرنے لگا تو میں نے اُسے منع کیا۔ میں زیبا کی عزت کرتا تھا کیونکہ وہ بہت سنجیدہ اور دردمند قسم کی لڑکی تھی۔ اور تعلیمی پوزیشن میں بھی بہت آگے رہتی۔ وہ مشتعل ہو گیا اور زیبا کے متعلق نہایت گھٹیا گفتگو کرنے لگا۔ میں بار بار منع کرتا رہا۔ آخر کار جب اُس نے زیبا کے بارے میں نہایت غیر شریفانہ جملے کہے اور اپنے غلیظ ارادوں کو ظاہر کیا تو میں نے اسے وارننگ دی۔ شاید میں بھی مشتعل ہو گیا تھا۔ لوگوں نے میرے فقرے ضرور سنے ہوں گے۔ میں وہاں سے آگیا اور آپ کے گھر پہنچا۔ آپ لوگ گھر میں نہ تھے۔ ملازم بھی نہ تھے۔

زیبا مجھے اپنے کمرے میں لے گئی۔ میں نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ وہ بہت گھٹیا آدمی ہے اور بہتر ہوگا اگر زیبا چند روز یونیورسٹی نہ آئے بلکہ کہیں نہ جائے میں صرف انسانی ہمدردی اور اخلاق کے تقاضے پورے کرنے کے لیے زیبا کی طرف آیا تھا۔ یہ درحقیقت ہماری پہلی مفصل ملاقات تھی۔ اور زیبا بھی مجھے اپنے کمرے میں لے جاتے ہوئے یہ بھول گئی کہ ایسی ملاقات کی معاشرہ اجازت نہیں دیتا۔ مگر ہم تعلیم یافتہ اور ایک یونیورسٹی کے طالب علم تھے وہاں مشورے اور منصوبہ بندی میں ایسا غرق ہوئے کہ وقت کا اندازہ نہیں ہوا۔ میں چاہتا تھا اپنے پروفیسر صاحب کو مزید بتا دیا جائے۔ زیبا اس کے خلاف تھی۔ اور کچھ دلیلیں دے رہی تھی

خیر، ہمیں خیال نہ رہا اور رات ہو گئی۔ آپ لوگ آگئے۔

"زیبا گھبرائی آپ کی ناراضگی کا خوف تھا اور اپنی غلطی کا افسوس کہ مجھے ڈرائنگ روم میں کیوں نہ بٹھایا۔ ستم یہ ہوا کہ شام سے ہی کتا کھول دیا گیا۔ دو بار میں نے چھپ کر نکلنے کی کوشش کی مگر اس نے بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ زیبا کی اور میری بُری حالت ہو گئی دراصل یہ حماقت ہی تھی۔ ورنہ یونیورسٹی میں پڑھنے والے اتنے کم ہمت نہیں ہوتے اور ہم نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ میں تو شاید کسی طرح خطرہ مول لے کر دیوار پھاند کر چلا جاتا مگر زیبا خوفزدہ تھی کہ اگر میں اس کے کمرے سے نکلتا دیکھا گیا یا پکڑا گیا تو وہ بدنام ہو جائے گی اور کوئی یقین نہیں کرے گا۔ وہ رات میں نے زیبا کے کمرے میں بسر کی۔

صبح آپ کے کورٹ جانے کے بعد میں چھپ کر نکلا اور ہاسٹل پہنچا۔ جہاں رات کو قتل ہو چکا تھا۔ میں شبہ میں پکڑا گیا کیونکہ کئی لوگوں نے میرے اور مقتول کے جھگڑے کو سنا تھا وکیل مجھ سے کہتے رہے کہ اگر میں ہاسٹل میں نہ تھا تو جہاں تھا وہاں کی نشاندہی کر دوں جہاں سے گواہی مل جانے میں دقت نہ ہو گی میری خاموشی سے مقدمہ پر بُرا اثر پڑ رہا تھا۔ میرے پکڑے جانے کی خبر سن کر زیبا آئی تھی اُس نے مجھ سے التجا کی کہ میں کسی دباؤ پر آکر اُس کا نام نہ لے دوں۔ اُس کے باپ کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ وہ خود بھی بدنام ہو جائے گی۔ میں جانتا تھا۔ اگر میں بے گناہ تھا تو بے قصور وہ بھی تھی۔"

سکندر سانس لینے کو چپ ہوا تو وکیل صاحب نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ابھی تک وہ خفیہ شادی کے راز سے پردہ نہ ہٹا سکا تھا۔

"میری امی آپ کے پاس گئیں۔ تو آپ نے بھی مجھ سے سچ سننا چاہا۔ میں سچ کیسے بتاتا۔ زیبا کی بدنامی مجھے کسی قیمت پر گوارا نہ تھی۔ میرا مقدمہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ گو کہ مجھے یقین تھا کہ خدا میری مدد کرے گا۔ میں نے قتل نہیں کیا۔ کوئی وکیل کوئی جج۔ قانون کا کوئی نکتہ ضرور میرے حق میں ہو گا۔ کیونکہ قاتل کو کسی نے دیکھا نہیں تھا اور مجھ سے کسی کی دشمنی نہ تھی۔ محض ایک فقرے کی وجہ سے مجھ پر شبہ کیا جا رہا تھا جبکہ میرا کردار آئینے کی طرح شفاف تھا۔ مقدمے کی کارروائی سننے دیکھنے کے لیے کافی کلاس فیلو عدالت میں آتے تھے۔ زیبا بھی ان میں ہوتی تھی۔ وہ برقعہ میں ہوتی تھی آپ کے خوف سے۔ اُس پر نفسیاتی طور پر بہت بُرا اثر پڑ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہی واحد گواہ تھی میری بے گناہی کی مگر خاموش

Scan & PDF FIAZ AHMED Pakistanikorner.com

رہنے پر مجبور تھی۔ پھر اس نے کہا کہ وہ مجھے پھانسی نہیں ہونے دے گی اور اچانک اس نے اپنا مستقبل اپنی پوری زندگی داؤ پر لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے آپ کے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کورٹ میرج کے کاغذات تیار کرائے۔ میرے دستخط لیے گئے اور کاغذی شادی کا اندراج ہو گیا۔

اب صرف آنا کرنا تھا کہ مقدمے کی تاریخ پر میں وہ کاغذات دکھا کر زیبا کے کمرے میں رات بسر کرنے کا اقرار کر لوں۔ تاکہ وہ گواہی دے سکے۔ یہ بہت بڑا فیصلہ تھا جو زیبا نے کیا محض انسانی قدروں کی تقدیس پر خود کو قربان کر دینا کسی معمولی آدمی کے بس کی بات نہیں میرے اعتراض پر اس نے کہا "تم بھی تو مجھے بدنامی سے بچانے کے لیے خود کو سولی کی موت قبول کر رہے ہو۔" اس نے کہا تھا کہ وہ خود اپنے والدین کو سب کچھ بتانے کی ہمت پیدا کر رہی ہے اور امید ہے کہ وہ اس کے اس اقدام کو سراہیں گے جو ایک بے گناہ کو پھانسی سے بچانے کے لیے وہ کر رہی ہے۔ مگر یہ اتفاق دیکھیے میری تاریخ آنے سے پہلے ہی قاتل پکڑا گیا۔ اور اس سے پہلے آپ کے ہم پیشہ حضرات نے آپ کو یہ اطلاع پہنچا دی کہ زیبا نے کورٹ میرج کر لی ہے۔ ان حضرات کو بھی شاید اصل حالات کا علم نہ تھا کہ دولہا حوالاتی ہے۔ اگر انھیں معلوم ہوتا تو وہ یہ خبر بھی آپ کو سناتے۔

بہر حال۔ میں بری ہو کر آیا تو سب سے پہلے اطلاع ملی کہ زیبا جرم شادی کی سزا میں گھر سے نکال دی گئی ہے۔ اور اس کے والد اچانک شدید بیمار ہو گئے ہیں انہی دنوں میں نے یہ افواہ بھی سنی کہ وہ ایسے وکیل ہیں جو مجرموں کی صفائی کرتے ہیں اور بے گناہوں کو سزا دلواتے ہیں۔ میں زیبا سے ملا وہ بہت پریشان اور اپ سیٹ تھی۔ آپ کی بیماری کی خبر نے اسے حواس باختہ کر دیا تھا۔ وہ خود کو آپ کی بیماری کا ذمہ دار سمجھتی تھی۔ اس نے آپ کو باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ یہ شادی محض نام کی تھی یہ صرف کاغذی مگر آپ اس قدر مشتعل تھے کہ کچھ سننے سے انکار کر دیا اور اسے گھر سے نکال دیا تعلق توڑنے کا اعلان کر دیا۔

میں ابھی طالب علم تھا۔ میرا مستقبل داؤ پر لگا ہوا تھا۔ مقدمے اور جرأت نے میرے ذہن کو بھی متاثر کیا تھا۔ مگر زیبا کی بربادی کا ذمہ دار تھا اس لیے میں نے اس کے دکھوں کو بانٹنے کا فیصلہ کیا اور۔ شادی کر لی۔ سچی۔ اور اصلی شادی۔ بعد میں ہم نے آپ سے ملنا چاہا تو سنا کہ ڈاکٹروں نے آپ کو کسی پریشان کن خبر سننے یا کسی سے ملنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ اور زیبا ڈرتی تھی کہ اسے دیکھ کر آپ مشتعل ہو جائیں گے۔ زیبا کے ہمت دلانے پر میں نے از سر نو تعلیم کا سلسلہ جوڑا۔ میں اور زیبا پھر سے طالب علم بنے۔ اور اب جبکہ ہم کامیاب وکیلوں میں گنے جاتے ہیں۔ سر خرو آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اب سزا کے لیے منتظر ہوں۔"

وکیل صاحب ششدر بیٹھے رہ گئے۔ زیبا اور سکندر وہیل تھے۔ اس خبر نے ان کو جتنی خوشی پہنچائی اتنا ہی رنجیدہ کر دیا۔ وہ اتنے برس اپنی بیٹی سے ایک غلط خبر کی بدولت جدا رہے۔ اس کی صفائی کو قبول نہ کیا۔ وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ زیبا نے کورٹ میرج کی ہے۔ اور اس شادی کو بنیاد رکھا ہے۔ مگر وہ یہ نہ جانتے تھے کہ اس کا شوہر وہی قاتل ہے جس کے مقدمے کے لیے ایک بڑی بی ملتجی تھیں اور اچانک کہیں غائب ہو گئی تھیں۔ انھوں نے سنا تھا کہ وہ طالب علم بری ہو گیا۔ مگر پھر وہ سخت بیمار ہو گئے اور دنیا سے بیزار بھی۔

"تمھارے پاس قتل کی وجوہات نہیں تھیں۔ تم یوں بھی بری ہو جاتے۔ زیبا نے نا سمجھی میں اتنا بڑا فیصلہ کر ڈالا نالائق مجھ سے کہتی۔ میں خود اسے بتا دیتا کہ کیا کرنا چاہیے۔"

"مگر آپ نے پہلے وجوہات پر غور کیوں نہ کیا۔ مقدمہ لینے سے انکار کیوں کر دیا؟"

ظریفہ نے جرح کی۔ بیٹی داماد دونوں وکیل ہیں اس بات سے انھیں بے حد فخر کا احساس ہو رہا تھا۔ "آپ کے قانون میں بہت خامیاں ہیں وکیل صاحب۔ لوگ کہتے ہیں۔ میں سچ کہتے ہیں کہ وکیل سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بنا دیتے ہیں۔"

"بس۔ تمھاری کسر تھی۔ اب تم بھی وکالت پڑھ لو۔ حقیقت روشن ہو جائے۔"

وہ بگڑ گئے۔

"اب بچوں کو بھی لے آؤ۔" ظریفہ نے داماد سے کہا۔

"بچے؟ کون سے بچے؟" وکیل صاحب چونکنا ہو کر بولے۔

"اپنی زیبا کے بچے۔ دو لڑکے ایک لڑکی ہے۔ میں تو تڑپ رہی ہوں۔ انھیں دیکھنے کے لیے۔"

"مگر مجھے معافی تو ملی نہیں اب تک۔" سکندر نے عاجزی سے کہا۔

"تم نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ساتھ ہی زیبا کو بھی پڑھایا۔ وکیل صاحب کی یہ آرزو تمہارے ذریعے پوری ہوئی ہے۔ ایک وکیل صاحب سے خفا نہیں رہ سکتے۔ میں جانتی ہوں۔" ظریفہ نے پورے یقین سے کہا۔ "ان کے بیٹے تو یہ خواہش پوری کر نہ سکے۔"

"ہونہہ۔ ایک بھی اصلی مجرم پکڑ کر دکھا دیں۔ تو میں فوراً وکالت چھوڑ دوں۔" صمد نے منہ بنا کر کہا۔ "قانون مجرموں کے لیے نہایت نرم ہے۔ اور انسانیت کے لیے سخت۔ مجھے ایسے قانون سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس سے تو بہتر ہے کہ قوم کے ہر فرد کے ہاتھ میں کرکٹ کا بیٹ اور بال ہو۔ چھکا۔ آؤٹ۔ فیصلہ تو ہوتا ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔" وکیل صاحب چلائے۔ "بچے کہاں ہیں انھیں بلواؤ۔"

"ابھی بلاتا ہوں۔" سکندر بوکھلا گیا

لمبی تارکول کی سیاہ سڑک پر سیاہ مرسڈیز پانی میں تیرتی کشتی کی طرح رواں تھی۔ ظریفہ اور زیبا احد کے لیے لڑکی دیکھنے گئیں تو اصرار کر کے وکیل صاحب کو ساتھ لے گئیں۔ لڑکی ڈاکٹر تھی۔ لوگ بھی اچھے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ڈاکٹر لڑکی ان کے ڈاکٹر بیٹے کو پسند تھی۔ مگر اس نے والدین کی مرضی اور پسند کو اولیت دینے کا ارادہ کیا تھا۔ سب کو پسند آئی۔ وکیل صاحب چپ۔ واپسی میں ظریفہ نے انہیں ٹٹولا۔

"کچھ تو بتایے کیسی لگی۔ احد کو بھی بتانا ہے۔ اس سے کیا کہوں؟"

انھوں نے ترچھی نظروں سے ظریفہ کو دیکھا "تمہیں کیسی لگی؟"

"ٹھیک ٹھاک ہے۔ پھر احد کی پسند ہے۔ ظاہر ہے مجھے بھی پسند آئے گی۔"

"تو اس دکھاوے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ منہ پھیر کر بولے

"ابا جان۔ آپ کی مرضی اور رائے کے بغیر احد نہیں کرے گا۔" زیبا نے کہا۔

"ہونہہ۔ اس لڑکی میں پسند کرنے والی کیا چیز تھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کا دہانہ دیکھا تھا۔ بالکل چوپ کی طرح۔ اور سر کے دونوں حصوں میں سینگ لگے ہوئے تھے مجھے تو ایسا لگا۔ کہ کسی گائے نے مینا کی چونچ ہونٹوں میں دبا لی ہے۔"

"خدارا۔ توبہ کریں۔ توبہ کریں فوراً ظریفہ نے بگڑ کر کہا "اللہ کی بنائی ہوئی صورت کا مذاق نہیں اڑاتے۔ اگر ہر شخص کے اختیار میں اپنی صورت بنانا ہوتا تو دنیا حسینوں سے جگمگا جاتی۔ اللہ تعالیٰ تو انسانوں کا مالک و آقا ہے۔ وہ کوئی بری چیز کیوں بنائے گا۔ اس لڑکی کا دل کتنا خوبصورت ہے۔ یہ آپ نہیں جانتے۔ احد نے اس کے ساتھ چھ سال پڑھا ہے۔ پرکھا ہے اسے۔ ہر طریقہ سے آزمایا ہے۔"

خاموشی چھا گئی۔ وکیل صاحب دل میں توبہ کا ورد کرنے لگے۔ ظریفہ ان کی رہبر بنی ہوئی تھی۔ وہ اس سے اختلاف کر ہی نہیں سکتے تھے۔ صمد کے ہاتھ میں اسٹیرنگ تھا۔ وہ مزے میں آ کر گنگنانے لگا "بہارو پھول برساؤ میرا محبوب

کبھی آپ نے اپنی آنکھوں سے
گگن کے چاند کو گھٹتے بڑھتے دیکھا ہے
اگر نہیں دیکھا تو
بشریٰ رحمٰن
کے تازہ ترین ناول

کو پڑھ کر دیکھ لیجیے
چھپ کر مارکیٹ میں آگیا ہے
صفحات 404
قیمت 90 روپے
پیشکش
8 سی احمد پارک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶

آیا ہے۔"

وکیل صاحب نے ملامت سے نرم سیٹ کی پشت پر کمر ٹکا دی اور غنودگی میں مسکرائے ان کی صحت اب بہت اچھی ہو گئی تھی۔ زندگی کا حسن انہیں پھر سے دنیا کی نعمتوں کی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ وہ زیبا کے ساتھ کی گئی زیادتی کی تلافی کی کوشش کر رہے تھے۔

اچانک آنکھیں موندے موندے انہوں نے زیبا سے پوچھا۔ "زیبی بیٹا۔ ایک بات بتانا۔ تمہاری ساس کو معلوم ہے کہ تم میری بیٹی ہو۔ یعنی وکیل امجد علی کی۔ جس نے ان کو ناکام لوٹا دیا تھا؟"

"جی ابا۔ معلوم ہے۔"

"اور وہ تم سے خوش ہیں؟ یا شاکی ہیں۔؟"

"بہت خوش ہیں ابا۔ دعائیں دیتے نہیں تھکتیں۔ وہ بہت فرشتہ صفت ہیں آپا۔"

"سنا ظریفہ بیگم۔ آج کل فرشتوں کا دور ہے۔" گاڑی رک گئی۔ وہ سنبھل گئے۔ "یہ گاڑی کیوں رکی ہے بھئی؟"

"کچھ نہیں ابا۔" کرکٹر بیٹے نے لہجے میں شیرینی پیدا کر کے کہا۔ "بچوں کو آئس کریم کھلانا ہے۔"

وہ چونک گئے۔ افوہ۔ اس اکڑو خان کے لہجے میں شہد کا انجکشن کس نے لگا دیا۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ گاڑی رکی ہوئی تھی۔ اور سڑک کے کنارے ان کا کرکٹر بیٹا ایک نوجوان لڑکی سے گھس پس کر رہا تھا۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بولے بہت ناز۔

"کیا ہے۔؟ یہ کون ہے یہ؟"

"شاید صمد کی کلاس فیلو ہے۔" زیبا نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کلاس فیلوز اچانک آسمان سے ٹپکنے لگی ہیں۔ ظریفہ بیگم ہوشیار۔"

ایک منٹ بعد وہ قدرے ہچکچاتی ہوئی اگلی سیٹ پر زیبا کے بچوں کے درمیان آ بیٹھی۔ سب کو سلام کیا اور گھبرائی ہوئی سی آنچل مروڑنے لگی۔ وہ شرمائی ہوئی تھی۔ پسینے پسینے ہو رہی تھی۔ اور وہ کرکٹر یہ ختمی ہوا جا رہا تھا۔

"ناہنجار۔" انہوں نے دل میں کہا۔

"یہ میری امی یہ بہن اور والد صاحب ہیں۔" صمد نے سنجیدگی سے تعارف کرایا۔

"جی۔ السلام علیکم۔" اس نے مڑ کر دوبارہ سلام کیا۔ اور ازسرنو پسینے میں نہا گئی۔ زیبا اور ظریفہ اسے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

اچھرہ موڑ بند۔ اس کے اترنے تک۔ وکیل صاحب دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے اور جھلتے رہے۔ اس کے اترکر جاتے ہی وہ ابل پڑے۔

"کون تھی یہ کیوں بٹھایا تھا اسے میری گاڑی میں۔ اُلو کے پٹھے۔ باپ کی ملکیت سمجھا ہے۔؟"

"جی ابا میاں۔" کرکٹر دبک گیا۔

"کون تھی؟"

"جی۔ ابا میاں ایک لل لل لڑکی تھی۔"

"ابے تو وہ کہاں سے آئی تھی۔ کہاں ملاقات ہوئی؟"

"کالج میں۔ ابا میاں۔ ایم اے کر رہی ہے۔ پڑھائی میں راکٹ ہے راکٹ۔"

"بکو مت۔" انہوں نے غرا کر کہا۔ "اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ میری گاڑی میں بیٹھے؟"

"میں کبھی کبھی لفٹ دے دیا کرتا ہوں ابا۔ اگر اس کی بس مس ہو جائے تو اسے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ترس آتا ہے۔ وہ بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہے نا اس کے والد بہت بیمار ہیں۔ گھر کا خرچ بہت مشکل سے چلتا ہے۔ مگر بہت حوصلہ مند ہے۔ اسے وظیفے ملتے ہیں۔ بے شمار تعریفی اسناد بھی۔"

"ایک تمغہ رہ گئے ہوا اس کے قدر دان۔"

"نہیں نہیں۔ ابا میاں۔" وہ بے حد وثوق سے بولا۔ "پورے شہر کے کالجوں اور یونیورسٹی میں اس کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ میں آپ کو یونیورسٹی میگزین لا کر دکھا دوں گا۔"

وہ بڑبڑا کر رہ گئے۔ گھر آ گیا تھا۔ اگلے دن ۔۔۔ انہیں علم ہوا کہ صاحبزادے اس لڑکی سے شادی کے خواہش مند ہیں اور ماں باپ کو دکھانے کے لیے ہی منصوبہ کے تحت اسے لفٹ دی گئی تھی۔ وہ سن کر بم کی طرح پھٹے۔

"کیا کہا؟ وہ ابو پھٹیچر سی لڑکی میری بہو بنے گی۔ اس گھر میں آئے گی۔"

"اچھی تو ہے۔" ظریفہ نے مختصراً کہا۔

"کیا خاک اچھی ہے۔" وہ چیخے۔ "اس کا لباس۔ لباس دیکھا تھا۔ کسی گھٹیا خاندان کی لگتی ہے۔"

"لباس سے اس کے خاندان کا تعین کیسے کر لیا آپ نے؟" ظریفہ نے بگڑ کر پوچھا۔

وہ گھبرا گئے۔ ظریفہ بیگم سے اختلاف کرنا آتا ہی نہ تھا۔

"ہوں۔ یعنی۔ رنگ دار کپڑے پہن لیتی۔ یہ سفید براق دوپٹہ شلوار۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ کس رنگ میں کیسی لگے گی۔"

"آدمی لباس سے نہیں۔ طور اطوار سے پہچانا جاتا ہے۔"

"ہاں ہاں۔ تم نے تو اس کی سات پشتوں کے طور اطوار دیکھ لیے ہیں۔"

"اندازہ بھی کوئی چیز ہے۔ اس کے سلام کرنے کا انداز۔ جھکی ہوئی نظریں۔"

"اس نے کبھی مرسیڈیز دیکھی بھی نہ ہو گی۔" وہ کچکچا کر بولے

"میرے باپ نے کبھی مرسیڈیز کا نام نہ سنا تھا۔ امی میں شادی ہونے کے بعد تک مرسیڈیز میں نہ بیٹھی تھی۔ مگر اب تو میرے پاس مرسیڈیز کے علاوہ بھی دو کاریں ہیں۔ میں نے کسی شاندار کوٹھی کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ مگر میں کوٹھی میں رہتی ہوں۔"

ظریفہ کو جلال آ گیا تھا۔ وکیل صاحب پریشان ہو گئے۔

"یہ تو قسمت کی بات ہے۔"

"شاید اس کی قسمت میں بھی مرسیڈیز ہو۔ کوٹھی ہو۔"

"بیگم۔ ظریفہ بیگم۔ یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔ اس ٹٹ پونجیے سے خاندان کی لڑکی کو مرسیڈیز کا مالک بنانا منظور ہے تمہیں۔ کیوں۔؟"

"کسی خاندان کی برتری کیا دولت سے ثابت ہوتی ہے وکیل صاحب۔" وہ تنک کر بولیں۔

"دولت سے۔ نہیں مگر کچھ بات تو بنے۔ پتا نہیں کون ہے۔ کیا ہے۔ تم نے اس میں کیا دیکھا۔" وہ حیرانی اور پریشانی سے انہیں دیکھنے لگے۔

"میں نے۔ آئینہ دیکھا ہے۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولیں۔ "آپ نے بھی تو۔ ایک غریب گھر کی لڑکی کو لفٹ دے دے کر منزل تک پہنچایا تھا۔ آپ نے بھی ایک ٹٹ پونجیے خاندان کی لڑکی سے شادی کی تھی۔"

"وہ۔ وہ معزز لوگ تھے۔ بس ذرا غریب تھے۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔" وہ گھبرا گئے۔

"اس خاندان کی بہو بن کر وہ بھی معزز کہلائے گی۔ تعلیم یافتہ ہے۔ حسین ہے۔ آپ نے مجھ میں کیا دیکھا تھا بھلا۔؟"

وہ سوچ میں پڑ گئے۔ کیا دیکھا تھا۔ دل کو بھانے والی صورت۔ بھانے والے انداز۔ اعلیٰ تعلیم اچھا اخلاق۔ ظاہر و باطن کی یکجائی۔ وہ تو اس کچے مکان کی گدڑی سے ہیرا اٹھا لائے تھے۔ اور ظریفہ نے ثابت کر دکھایا کہ بڑی آب و تاب ہے اس میں۔ بے حد قیمتی ہے وہ۔ انمول ہیرا ہے۔

"تم میں اور اس میں بہت فرق ہے۔" انہوں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"کوئی فرق نہیں۔" ظریفہ نے متانت سے کہا۔ "صرف وقت کے فاصلے ہیں۔ جو ہمارے درمیان حائل ہیں۔ جب آپ جوان تھے۔ اب صمد جوان ہے۔ اس وقت آپ نے بہتر فیصلہ کیا۔ اب صمد بہترین انتخاب کر رہا ہے۔ مجھے اس پر اعتماد ہے۔ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ میری گود میں آنکھ کھولی ہے۔ وہ کوئی غلط کام نہیں کرے گا۔"

"وکالت کو تو گھٹیا کام کہتا ہے نامعقول۔" وہ بڑبڑا کر رہ گئے۔ "بندر کیا جانے ادرک کا سواد۔ رہے گا فرا کرکٹر۔ مسخرا۔"

ظریفہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے دیکھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"میں اس کے گھر جا کر اس کے گھر والوں سے مل آتی ہوں۔ لڑکی کو بھی اچھی طرح پرکھ لیا ہے۔ شک نہ کریں۔ یہ وکیلوں والی جرح اب اپنوں پر نہ آزمائیں۔ لوگ شریف ہیں لڑکی نیک اور ذہین ہے۔ حوصلہ مند ہے۔ صمد نے اس کی ظاہری خوبی کو نہیں۔ باطنی اطوار کو سراہا ہے۔ چاہے اب وقت ضائع کرنے سے نقصان ہو گا۔ ہمارے بچے اگر غلط راستے پر چل پڑے۔ تو ہم انہیں روک دیں گے۔ وہ نافرمان نہیں۔ وقت نے بتا دیا ہے۔"

وکیل صاحب نے اپنا اور صمد کا موازنہ کیا۔ ظریفہ کا اس لڑکی سے مقابلہ کیا۔ اور مان گئے۔ قائل ہو گئے۔ زندگی گزارنے اسے کامیاب بنانے کے لیے دولت۔ خاندان کی برتری نہیں محض نیکی شرافت اور ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی دولت آدمیت کہلاتی ہے۔ عزت کسی کو کم تر اور دولت برتر نہیں بناتی۔ وقت ہی اصل منصف ہے وقت ہی ممتحن۔

اے وقت۔ اے وقت۔

*

فاتون کا دسترخوان

کھانا پکانے کی مزیدار ترکیبوں کی رنگارنگ کتاب

Scan & PDF HAZ AHMED Friends Korner.com